دنیا کی رغبت ہلاکت کا باعث

"وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَوْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ «فَوَاللّٰهِ مَاالْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْهَا کَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِکَکُمْ کَمَا اَهْلَکَتْهُمْ» [متفق علیه]

''حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بخدا میں تم پر فقر سے نہیں ڈرتا لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا فراخ کردی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کی گئی پس تم رغبت کرنے لگو گے جس طرح انہوں نے رغبت کی اور تمہیں ہلاک کرے گی جیسے ان کو ہلاک کیا۔''

تاریخی عہد شکنی

مسلمانوں کے ساتھ مشرکوں کی تاریخ عہد شکنی کی تاریخ ہے۔نزول آیات کے وقت اس کا قریب ترین واقعہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو توڑنے کا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے بعض افاضل صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ کہنے کے باوجود یہ صلح حدیبیہ کر لی تھی کہ اس کی شرطیں مسلمانوں کے لیے باعث تذلیل وتحقیر ہیں۔آپ ﷺ نے حسب الہام وحی یہ سب کچھ کیا تھا۔آپ ﷺ نے اس عہد کی وفا کی۔مگر مشرکوں نے اپنی پسندیدہ شرطوں کے معاہدے کو توڑا، انہوں نے حضور ﷺ کے اخراج وقتل کے مشورے بھی مکہ میں کیے تھے۔اور یہ سب کچھ اللہ کے حرم میں ہوا جس میں دشمن کو بھی امان دی جاتی تھی، اور باپ یا بھائی کے قاتل کو بھی حرم مکہ میں نہ چھیڑا جاتا تھا۔مگر انہوں نے اپنے مسلم صادق ومصدوق محمد ﷺ کے ساتھ یہ رعایت برتنا روا نہ رکھا۔اسی طرح انہوں نے آپ ﷺ کا مدینہ میں بھی پیچھا کیا اور ان پر بار بار حملے کیے اور بدر میں ایک فوج لے کر حملہ آور ہوئے۔پھر احد وخندق کے غزوات میں بھی وہی ابتداء کرنے والے تھے۔پھر وہ حنین میں اسلام کو خدانخواستہ برباد کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ان سب حقائق کا کیا تقاضا تھا؟ یہی کہ ایسے بدعہد دشمنوں کو قرار واقعی سزا دی جائے، اور ان کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ:

''وہ تم سے برابر قتال کرتے رہیں گے۔حتّٰی کہ اگر وہ ایسا کر سکیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا اور مشرک معاشرہ فطرۃً ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں اور ان کا اکٹھا رہنا ممکن نہیں ہے۔

کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟

''جب کفار ومشرکین کا تمہارے خلاف یہ زور وشور ہے، یہ متواتر عداوت ہے، تو تم ان سے قتال سے جھجکتے کیوں ہو؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟۔''[سورۃ التوبۃ:۱۳]

اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو:

آیت:۱۳ کے آخر میں فرمایا ہے کہ:''اللہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم مؤمن ہو۔''

یعنی مؤمن بندوں سے، مخلوق سے، کسی اور سے، سوائے اللہ کے نہیں ڈرتا، پس مشرکوں سے مت ڈرو، صرف اللہ سے ڈرو۔قلب مؤمن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے خوف کی جگہ نہیں ہوتی۔گذشتہ واقعات اور یادوں سے تمہارا دل کانپ اٹھنا چاہیے، تمہاری سب سے قیمتی متاع ذات پاک محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔کافروں نے تم سے تجاوز کر کے آنحضور ﷺ کو دکھ دینے، مکہ سے نکالنے اور مدینہ میں ستانے اور دکھ دینے سے کوئی دریغ نہیں کیا، پس کیا اس سے بھی تمہارے دل میں ایمان غیرت اور دینی جوش پیدا نہیں ہوتا؟ [تفسیر ضلال القرآن:۱۵۵]

فہرست

نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ:۲]

''نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو۔''

ایک دوسرے کی مدد کرنے کا فائدہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ 》 [بخاری:۲٤٤۲]

''جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ عَافَانِىْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ، وَفَضَّلَنِىْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا ۔

''ہر قسم کی تعریف اس اللہ کریم کے لیے ہے جس نے مجھے اس تکلیف سے بچایا ہے جس میں تجھے مبتلا کر دیا ہے اور اس نے مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔''

اللہ اس کو کبھی اس مصیبت میں مبتلا نہیں کرے گا۔

[ترمذی:۳٤۳۲۔ سلسلة احادیث صحیحه: ۲/ ۱۵۳، رقم: ٦۰۲]

گندم کے ساتھ گھن

اداریہ

حافظ احمد شاکر

عام معاشرے میں جینے اور رہنے والے انسان کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔کھانا اورلوازمات زندگی تو ہرانسان کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جودن کوکمانے اوررات کوکھانے والے ہوتے ہیں یعنی وہ بچانے کی سکت نہیں رکھتے۔اس طبقے کی آمدن اورخرچ کبھی متوازن نہیں ہوتے۔اس میں عموماً کلرک اورمزدورپیشہ لوگ ہوتے ہیں۔

دوسراطبقہ وہ ہوتا ہے جوکماتا بھی ہے، کھاتا بھی ہے اور کچھ نہ کچھ بچا بھی لیتا ہے یہ چھوٹے قسم کے کاروباری یارزق حلال پرقناعت کرنے والے افسران ہوتے ہیں جنہیں سفید پوش بھی کہا جاتا ہے۔

تیسراطبقہ خرچ......یعنی تجارت......کرکے کماتا بھی ہے بافراغت کھاتا بھی ہےاور......اپنی دولت کو...... بڑھاتا بھی ہے ان میں چھوٹے بڑے صنعتکار، درمیانے اور بڑے تاجر ہوتے ہیں جوعموماً کاروبار کی بڑھوتی کے لیےبینکوں سے پہلے قرضہ لیتے ہیں اورپھرسیاسی موسم تاک کروہ قرضہ معاف بھی کرا لیتے ہیں۔

چوتھاطبقہ کمائے بغیرہی صرف بڑھاتا ہی بڑھاتا ہےاوروہ ہیں وڈیرےاورجاگیردار۔

وطن عزیز کی تاریخ پرنظر دوڑائیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ محمد علی جناح کے بعد ایک ہی مرد شریف چوہدری محمد علی ایسا تھا جو ذاتی صلاحیت کی بناپر وزارت عظمیٰ تک پہنچااوراس نے اپنی دیانت نجابت اورشرافت کی بناپر......اپنوں اورغیروں پر جوصلاحیت ومحنت کی دھاک قیام پاکستان سے قبل ہی بٹھا چکا تھا ......بصد اخلاص وطن عزیز کی جوخدمت کرسکااس نے کی اوراس طرح کی کہ وطن عزیز کی تاریخ شاید اس کی کوئی دوسری مثال نہ پیش کرسکے۔ان کے علاوہ حکم رانوں کی اکثریت وڈیروں اورجاگیرداروں پرہی مشتمل رہی یاپھروطن عزیز کی عمر کاایک طویل حصہ جرنیلوں نے رہن رکھے رکھا۔

ہر بشر کی طرح جنرل ایوب مرحوم میں بشری کوتاہیاں یقیناً ہونگی لیکن وطن عزیز کوصنعت کے ٹریک پہ ڈالنااوروطن کومعاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرنے میں شاید کسی کواختلاف نہ ہو۔اس طرح جنرل ضیاءالحق پرروس کُشی میں امریکا سے تعاون، جمہوریت کے اغوااورطول اقتدار کی خواہش کی سیاسی فردجرم کے سوا کرپشن، ذاتی مفادات جیسا کوئی جرم اب تک ہمارے علم میں نہ آسکا۔جس میں ملک وملت کی غداری نظرآتی ہو۔ہاں مسلم امہ کی نئی نسل میں جذبہ جہاد کا احیاءان کا ایک ایسا جرم ہے جو پورے طاغوت کواب تک تگنی کا ناچ نچا رہا ہے۔لیکن ضیاء دور کی بھارت پرسیاسی ومعاشرتی برتری، امن وامان، وطن کی معاشی بہتری اورمہنگائی پرگرفت کاذکرافسوس کہ کسی سیاسی بزرجمہروں نےکبھی نہ کیااس لیے کہ اپنی خوئے خودسپردگی کی بناءپروڈیرےہی اقتدارتک پہنچتے رہے۔

مذکورہ بالا دونوں مرحوم جرنیلوں نے چوں کہ زرعی اصلاحات کے نام پرسامراج سے انعامات میں ملنی والی زمینیں وڈیروں اورجاگیرداروں سے لےکر عوام کودینے کی کوشش کی تھی اس لیےاب تک ان دونوں جرنیلوں کا تاریک پہلوؤں ہی کا تذکرہ کیاجاتا ہے،اوران کی مذکورہ بالاکسی خوبی کانہیں۔

جب کہ دوسرے دوجرنیل، جنرل یحییٰ خاں جس نے بھارت سےشکست قبول کرکے آدھا ملک گنوادینے کا ایسا جرم کیا جس کا داغ رسوائی دھل ہی نہیں سکتا۔لیکن اس کونشانِ عبرت بنانے کی بجائے اسےمکمل فوجی اعزازات کے ساتھ پاکستان کے پرچم میں لپیٹ کردفنایا گیا۔اور باقی رہے......اب تک......

آخری جرنیل جناب پرویزمشرف! تو یہ ماضی قریب بلکہ قریب ترین ماضی کا کردار ہیں۔امریکی غلامی، مسلمان فروشی، پاکستان کی معاشی، اخلاقی اورمعاشرتی تباہی، امریکی بمباروں کی آمد، جس کا دفاع بھی ان ہی کی حکومت میں کیاجاتا رہا۔لال مسجد اورجامعہ حفصہ کاقصہ یعنی بلامبالغہ ہزاروں بےگناہوں کےخون سے اس کے رنگے ہاتھوں اوراقتدار کی ان گنت رنگینیوں کے باوجوداس شخص کومکھن سے بال کی طرح محفوظ نکالنے والے اوراب اس کوتحفظ دینے والےکون ہیں؟

وہی جا گیردار اور وڈیرے ہیں نا! یعنی وہی طبقہ ہے جو صرف...... جائز و ناجائز......کمانا اور بڑھانا جانتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے اقتدار کا ہما اسی طبقہ کے سر پر سایہ فگن رہا۔ اور اسی طبقے نے اب تک عوام کو آ کاس بیل کی طرح لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

پاکستانی سیاست ہی میں ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو صرف اپنی جماعت یا پارٹی کے لیے کبھی اسلام کبھی عوام اور کبھی وطن کے نام پر محنت کرتا، جان کھپاتا اور اکثر جان ہار بھی دیتا ہے اور وہ پھر بھی خوش رہتا ہے کہ اس نے قائد یا امیر کا حکم مان کر نظریے کا حق ادا کر دیا ہے۔ جسے سیاست کی زبان میں ورکر کہا جاتا ہے۔ پی۔ پی۔ پی اور جماعت اسلامی کے ورکر اس کی زندہ اور باعث عبرت مثال ہیں۔ یہ طبقہ اپنی اپنی جماعت کے مقاصد میں مخلص و جاں نثار ہوتا ہے۔

دوسرا طبقہ بدعنوانی سے بچا ہوا اپنے تئیں وطن کی خیرخواہی کی خاطر جیب سے خرچ کر کے شغل سیاست کرتا ہے جس کو داد و تحسین تو بے پناہ مل جاتی ہے لیکن وہ کچھ حاصل اس لیے نہیں کرتا کہ یہ اس کا مقصد سیاست ہوتا ہی نہیں۔ اس کے لیے نوابزادہ نصر اللہ خاں مرحوم کی مثال کافی ہے۔

تیسرا طبقہ سیاست کو تجارت جان کر اختیار کرتا ہے کہ وہ ان......انتخابات...... میں جتنی سرمایہ کاری کرتا ہے وہ پوری تندہی کے ساتھ صرف لاگت ہی پوری نہیں کرتا بلکہ کئی گنا نفع کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے جس میں وہ عموماً کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہمارے وطن عزیز کے M.P.A اور M.N.A کی اکثریت اس کی زندہ و تابندہ مثال ہیں۔

چوتھا طبقہ ہواؤں کا رخ پہچاننے میں طاق اور ماہر ہوتا ہے ہر دفعہ نئی برسر اقتدار جماعت کی مدح اور محروم اقتدار سیاسی جماعت کی قدح یعنی عیب جوئی ان کی ایسی صلاحیت ہوتی ہے جو ہمیشہ جواں رہتی ہے اس کو سورج مکھی اور دسترخوانی بھی کہا جاتا ہے۔

پانچواں طبقہ وہ ''خوش نصیب'' اور خداداد صلاحیت سے مالا مال خاندان ہوتا ہے جو بھائی، بہنوئی، داماد، برادر نسبتی، چچیرے، خلیرے اور ممیرے بھائی باہمی مشوروں سے حاضر وقت مختلف سیاسی جماعتوں کے لیے اپنی خدمات تقسیم کر کے ملک و وطن کی خدمت کے لیے اپنے خاندان کو بزعم خویش وقف کر دیتے ہیں اور نتیجتاً ''بفضل ربہم'' سیاسی مفادات کی آبشار سے یہ خاندان ہمیشہ ہی سیراب ہوتا رہتا ہے۔

یہ ایک ہلکا پھلکا چلتے چلتے ہمارا ایک تجزیہ ہے، جس کی صحت پر ہمیں نہ اصرار ہے اور نہ ہی اس کے مکمل ہونے پر۔ تاہم غور طلب نکتہ صرف اتنا ہے کہ آیا ان حالات میں ہم کسی بہتری کی امید رکھ سکتے ہیں؟ اگر رکھیں تو کس سے؟ جبکہ پاکستانی عوام کا خیال یہ ہے کہ حکومت نے قوم کو جس وقت بھی پکارا یہ قوم تن من اور دھن لے کر حاضر ہوگئی۔ ۶۵ء کی جنگ، مشرقی و مغربی پاکستان کے سیلاب، گاہے گاہے ملک پر نازل ہونے والی آفتیں ایٹمی دھماکے کے لیے قوم سے جو قربانی مانگی قوم نے بہ عجز و انکسار اس کو پیش کر دیا۔ قرض اتارو ملک سنوارو کے نام پر حکومت کے کاسہ میں کیا کچھ اور کس نے نہیں ڈالا، شمالی علاقہ جات میں آنے والے زلزلہ جس کے بارے میں بہت سی ان کہی سینہ گزٹ خبروں کے علاوہ ''شامت اعمال'' کی داستانیں بھی زبان زد عام رہیں لیکن پاکستانی عوام اور دنیا بھر کی حکومتوں خصوصاً مسلمان حکومتوں نے خزانوں کی مونہہ کھول دیئے لیکن قوم کو ملا کیا؟ غیروں کی جنگ اپنی سرزمین پر، امریکی غلامی، طاغوت کے مفادات کا تحفظ اور نام نہاد دہشت گردی کے نام پر جنگی تاوان، آٹا ۲۵/- سے ۳۰/- تک فی کلو چینی ۴۰/- سے ۴۵/- تک فی کلو دودھ ۴۰/- سے ۵۰/- تک فی کلو دال سبزی کوئی بھی ترکاری ۶۰/- سے ۱۰۰/- کلو! کم مل جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قوم کے خطیر عطیات، اربوں ڈالروں کی صورت میں باہر سے آنے والی امداد اور ایندھن......تیل و گیس...... سے کمایا جانے والا اربوں کھربوں روپے کا منافع اور پرائیویٹائزیشن کی آمدن کہاں ہے؟ کیا حکمران اس کا حساب دینے کے پابند نہیں؟ عدالت عظمیٰ کے اختیارات یہاں تک پہنچتے ہیں کہ اربوں کھربوں کے معاف کیے جانے والے قرض کس کھاتے سے معاف کیے گئے ہیں؟ وہ ربّ رحیم و کریم ہمارے ان گناہوں سے کب تک صرف نظر کرتا رہے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ظلم و برعدوان پر خاموش رہنے والے بھی عذاب الٰہی میں گندم کے ساتھ گھن کی طرح پس جائیں۔ کاش کوئی مرد دانا قوم کو استغفار و انابت کی طرف متوجہ کر سکے۔ آہ!

نہ جا اس کے تحمل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی ڈر اس کی دیرگیری سے سخت ہے انتقام اس کا

تحقیق وتنقید

نظریہ نور من نور اللہ حقیقت کے آئینہ میں ❷

مولانا خاور رشید بٹ

لفظ بشر کی تحقیق:

اعتراض: انبیاء کو بشر کہنا منکرین کی روش ہے۔

جواب: قرآنِ مجید کے مطالعہ سے یہ بات تو بالکل واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ کفار نے انبیاء کی نبوت ردّ کرنے کے لیے جو ڈھکوسلے باندھے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ بشریت اور نبوت دو متضاد چیزیں ہیں یہ کیسے جمع ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا کسی فرشتے (نوری مخلوق) کو نبی ہونا چاہیے تھا۔

چناں چہ پروردگار عالم نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴾ [بنی اسرائیل ۱۷: ۹۵]

''تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتے اتارتے۔''

اس جگہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے جو حاشیہ لگایا ہے وہ کمال کا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

کیوں کہ وہ ان کی جنس سے ہوتا لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان کا ملائکہ میں سے رسول طلب کرنا نہایت ہی بے جا ہے۔

[کنز الایمان، ص:۵۲۶، ط: ضیاء القرآن لاہور]

اسی طائفہ کے اکابر کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کی جنس زمین پر آباد ہے اللہ تعالیٰ نے اسی جنس سے نبی بھیجا ہے۔

ثابت ہوا انسانوں میں غیر جنس کا نبی آ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ پر بھی مشرکین مکہ نے یہی اعتراض کیا جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا:

﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴾ [الانعام ٦ : ٩]

''اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔''

[ترجمہ اعلیٰ حضرت]

غور فرمائیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے نظریہ کہ رسولِ اکرم ﷺ لبادہ بشریت میں آئے ہیں حقیقت نوری ہیں کا بھی ردّ فرما دیا ہے۔ کیوں کہ آیت قرآنی کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر نبی فرشتہ ہوتا (نور) تو پھر تمہاری طرف بھیجنے کے لیے اسے انسان ہی کی صورت دینی پڑتی اور تمہارا اعتراض جوں کا توں ہی رہتا۔ یہ کہ بشریت اور نبوت ایک جگہ اکٹھی نہیں ہوسکتی۔

اس پر حاشیہ لگاتے ہوئے مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

کیوں کہ فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنے کی تو یہ لوگ تاب نہ لا سکتے دیکھتے ہی ہیبت سے بیہوش ہوجاتے یا مرجاتے اس لیے اگر بالفرض رسول فرشتہ ہی بنایا جاتا اور صورت انسانی ہی میں بھیجتے تا کہ یہ لوگ اس کو دیکھ سکیں اور اس کا کلام سن سکیں اس سے دین کے احکام معلوم کر سکیں لیکن اگر فرشتہ صورت بشری میں آتا تو انہیں پھر وہی کہنے کا موقع رہتا کہ یہ بشر ہے تو فرشتہ کو نبی بنانے کا کیا فائدہ ہوتا۔

[حاشیہ کنز الایمان، ص:۲۳۱، ۲۳۲]

یہیں تک ہی نہیں بلکہ قرآنِ مجید میں کفار کے اس اعتراض کے جواب میں انبیاء نے اپنے آپ کو واضح الفاظ میں بشر تسلیم کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کا انبیاء کو بشر اور انسان کہنا اس حد تک بات درست تھی۔ صرف ان کا نظریہ کہ نبوت اور بشریت دو متضاد چیزیں ہیں غلط تھا اس لیے قرآن نے اس کا ردّ تو کیا ہے لیکن انبیاء کے بشر ہونے کی

نفی کہیں ایک مقام پر بھی نہیں کی۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ [ابراهيم ١٤: ١٠، ١١]

''(منکرین) بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ۔ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے۔'' [ترجمہ اعلیٰ حضرت]

کس قدر سادہ اور واضح الفاظ میں انبیاء نے منکرین کے اعتراض کا جواب دیا کہ ٹھیک ہم بشر تو تمہاری طرح کے ہیں لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ ہمارے سروں پر تاج نبوت رکھا ہے۔

اتنی واضح آیات کے باوجود اگر کوئی کہے کہ انبیاء کو بشر کہنا کفار کی روش ہے تو اس پر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

یہاں سوال پیدا ہوا کہ یہ تو گزشتہ انبیاء کے متعلق باتیں ہیں کیا ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کو بھی بشر کہا گیا ہے کہ نہیں؟

اس کا جواب تلاش کرنے کے لیے قرآنِ مجید کی ورق گردانی کی گئی تو معلوم ہوا ایک دفعہ نہیں بلکہ تین مرتبہ سرورِ کائنات ﷺ کو بشر کے لفظ سے یاد کیا گیا:

①...... ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [الاسراء١٧:٩٣]

②...... ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ﴾ [الكهف١٨:١١٠]

③...... ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ [حم السجدہ٤١:٦]

ان تینوں آیات میں رسولِ اکرم ﷺ کو بشر کہا گیا ہے اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے مزعومہ نظریے کو بچانے کے لیے یہاں تحریف فی الترجمہ کے مرتکب ہوئے۔لیکن اللہ کی قدرت دیکھیں صرف سورۃ الکہف کی آیت کا ترجمہ ہی غلط کر سکے باقی دونوں جگہوں پر یہ ترجمہ نہ کر سکے۔تینوں آیات کا ترجمہ بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

①......''تم فرماؤ پاکی ہے میرے ربّ کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔'' [کنزالایمان،الاسراء]

②......''تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔'' [الکہف]

③......تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔'' [حم السجدہ]

اعلیٰ حضرت ہی نہیں بلکہ ظاہر صورت بشری والا ترجمہ اس طائفہ کے دیگر علماء اور عوام بھی کرتے ہیں۔

اس لیے ذرا اس کو سمجھ لیں اس ترجمہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے تو یہ کوئی لفظ استعمال نہیں کیا یہ محض اعلیٰ حضرت کی اختراع ہے۔بہرحال انہوں نے یہ ترجمہ لفظ بشر کا کیا ہے اگر یہ ترجمہ درست ہے تو باقی دونوں مقامات پر کیوں نہیں کیا گیا؟ حالاں کہ وہ دونوں آیات بھی آنحضرت کے ہی متعلق ہیں۔اور اگر یہ غلط ہے تو ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ قرآن میں کہیں بھی رسولِ اکرم ﷺ کی حقیقت بشریہ کا انکار نہیں کیا گیا اور حقیقت نورانیت کا اقرار نہیں کیا گیا۔

اس ترجمہ کے مطابق اگر لفظ بشر کا معنی ظاہری صورت بشری کریں تو کوئی بھی انسان حقیقی بشر ثابت نہیں ہوتا۔مثلاً سب سے پہلے انسان سیدنا آدم علیہ السلام ہیں ان کو بھی بشر کہا گیا ہے،فرمایا:

﴿ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴾ [ص ٣٨: ٧١]

''جب تمہارے ربّ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔'' [ترجمہ اعلیٰ حضرت]

قرآنِ مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴾ [المدثر ٧٤: ٣٦]

''انسانوں کو ڈرانے والا ہے۔''

ظاہر ہے قرآنِ مجید کفار اور مومنین سب کو ڈرانے والا ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ظاہر صورت بشری تسلیم کرلیں تو سب کے سب انسان خواہ مومن ہوں خواہ کفار خواہ انبیاء ہوں خواہ امتی حقیقت بشری سے نکل جاتے ہیں اور دنیا کے اندر کوئی حقیقی بشر نہیں ملے گا بلکہ سب نے بشریت کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ **فیا للعجب**

جب یہ باتیں کی جاتی ہیں تو آگے سے جواب ملتا ہے بھائی یہ رسولِ اکرم ﷺ کو تواضع اور عاجزی کا سبق دیا گیا ہے اور جو الفاظ اصحاب عزت وعظمت بہ طریقہ تواضع فرماتے ہیں ان کا کہنا دوسروں کے لیے جائز نہیں۔ کیوں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی توہین کا شائبہ پایا جاتا ہے۔[حاشیہ کنزالایمان،ص:۵۴۹،مقیاس نور،ص:۱۸۵ وغیرہ]

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ الفاظ جو رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق بولنے درست نہیں قرآنِ مجید نے صاف اور دوٹوک الفاظ میں ان سے مسلمانوں کو روک دیا ہے۔

مثلاً صحابہ آنحضرت ﷺ کو متوجہ کرنے کے لیے لفظ استعمال کرتے تھے رَاعِنَا (ہماری رعایت فرمائیے) لیکن منافقین اور یہود اسے بگاڑ کر پڑھتے رَاعِيْنَا (ہمارے چرواہے) معنی بن جاتا تھا یعنی نبی کریم کی توہین کرتے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کردیا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ﴾

[البقرة۲: ۱۰۴]

”اے ایمان والو! رَاعِنَا کا لفظ نہ کہو (بلکہ) کہو تم اُنْظُرْنَا (یعنی ہماری طرف دیکھئے)۔“

اگر رسولِ اکرم ﷺ کو بشر کہنا ہمارے لیے درست نہیں تو بالکل اسی طرح ہمیں دوٹوک الفاظ میں روک دیا جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اعتقاد کہتے ہیں کہ دل میں بات جمانے کو اور شہادت اس کا زبان سے اقرار کرنے کو کہتے ہیں۔ اور فقہ حنفی کی عقائد کی کتب میں ایمان انہی دو چیزوں کا نام ہے یعنی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان۔ مثلاً اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولِ اکرم کی رسالت کو دل سے تو تسلیم کرتا ہے زبان سے اقرار نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں۔[دیکھیں فقہ اکبر الوصیۃ، شرح عقائد نسفی وغیرہ]

اسی طرح جب دل سے تسلیم کرلیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بشر کہا ہے اور آپ ﷺ کا اولادِ آدم سے ہونے کو بھی مان لیا تو پھر دل سے تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار نہیں ہوگا تو ایمان نہیں ہوگا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ قرآنِ مجید کے مطابق رسولِ کریم ﷺ کو بشر کہنا بے ادبی ہے یا کہ ایمان کی تکمیل؟

اس طائفہ کے مشہور ومعروف بزرگ پیر مہر علی شاہ صاحب آف گولڑہ شریف اپنے فتاویٰ مہریہ میں پوچھے گئے سوال کہ کیا آنحضرت کو بشر کہا جاسکتا ہے کہ نہیں کا جواب دیتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لیے ذکر آنحضرت ﷺ بطریق تکریم وتعظیم واجب اور ضروری ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغت عربیہ عظمت وکمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً ومصداقاً متضمن بکمال ہے۔ مگر چوں کہ اس کمال تک ہر کس وناکس سوائے اہل تحقیق وعرفان کے رسائی نہیں رکھتا۔ لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔[فتاویٰ مہریہ،ص:۱۰ بحوالہ کیا سگ مدینہ کہلانا جائز ہے؟ ص:۱۵]

اس فتویٰ سے کئی باتیں واضح ہوئیں:

اوّل: لفظ بشر میں حقارت نہیں بلکہ کمال پایا جاتا ہے۔

دوم: اس کمال تک رسائی ہر ایک کے لیے ممکن نہیں اس لیے اہل تحقیق وعرفان یہ لفظ کہہ سکتے ہیں۔

سوم: اگر عام لوگوں نے یہ لفظ بولنا ہے تو اکیلا نہیں بول سکتے اس کے ساتھ کوئی ایسا لفظ لگانا پڑے گا جو تعظیم پر دلالت کرے۔

اس فتویٰ کی تنقیح اور تنقید کا موقع نہیں فقط اپنا مدعا ثابت کرنا مقصود ہے کہ لفظ بشر میں کوئی بے ادبی نہیں بلکہ یہ لفظ کمال پر دلالت کرتا ہے۔

ایک اور طریقے سے بات سمجھیں:

قرآنِ مجید کی یہ آیات جن میں حضور اکرم ﷺ کو بشر کہا گیا ہے اگر ان کا ترجمہ کرنا ہو یا محض تلاوت کرنی ہو تو کیا ہماری زبان سے یہ لفظ ادا نہیں ہوگا؟ ضرور ادا ہوگا۔

ثابت ہوا کہ اس لفظ میں بے ادبی کا کوئی شائبہ نہیں ورنہ یہ لفظ

ہمیں راعنا کی طرح نہی کی صورت میں تو پڑھنا پڑتا اثباتاً کبھی نہ پڑھنے کی اجازت ملتی۔ (فافہم وتدبر)

لفظ مثل کی بحث:

ایک بحث یہاں لفظ مثل کی کی جاتی ہے کہ گو قرآنِ مجید نے آنحضرت ﷺ کو ہماری مثل بشر کہا ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ایک قرآنی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے اور چند احادیث سے لہٰذا ان کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ [الانعام٦:٣٨]

''اور زمیں میں کوئی چلنے والا جاندار نہیں اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر تمہاری طرح امتیں ہیں۔''

استدلال: اس آیت میں جانوروں اور پرندوں کو انسانوں کی مثل امت قرار دیا گیا ہے تو اگر ہم کسی انسان کو کہیں کہ آپ گدھے یا الو کی مثل ہیں تو آیا یہ اس کی توہین ہوگی یا توقیر؟ [ملخص مقیاس نور ص:۱۸۳]

جواب: یہ بات مثلیت کے معنی ومفہوم سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ مثل کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ ایک ایک جزئی میں دونوں چیزیں برابر ہیں بلکہ جس چیز کی مثلیت کا تذکرہ ہوگا اسی میں دونوں کو ہم مثل قرار دیا جائے گا۔ مثلاً قرآن میں ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾

[الطلاق ٦٥:١٢]

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان کی مثل۔''

اب ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مثلیت محض سات کے عدد میں ہے یعنی جیسے آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔ باقی احکامات اور چیزیں دونوں ہم مثل نہیں، مثلاً آسمان بلند ہے لیکن زمین پست ہے۔ آسمان پر چاند سورج وستارے وغیرہ چمکتے ہیں زمین پر نہیں وغیرہ وغیرہ۔

دوسری جگہ پر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾

[الاعراف ٧: ١٩٤]

''بے شک جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں۔''

یہاں پر بالکل واضح ہے جن کی پوجا کی جاتی ہے اللہ کے علاوہ وہ بندے ہونے میں پجاریوں کی مثل ہیں نہ کہ ہر چیز میں ان کی مثل ہیں۔

ثابت ہوا جس جس چیز میں مثلیت ہوگی محض انہیں ہی تسلیم کیا جائے گا باقی چیزوں میں ان کو جدا مانا جائے گا بالکل اسی طرح مذکورہ بالا پیش کردہ آیت میں جانوروں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت امت ہونے میں ہے باقی چیزوں میں نہیں اس لیے ہم یہی کہیں گے کہ الو، گدھا، کتا، شیر، بکری یہ سب جانور اور پرندے امت ہونے کے اعتبار سے انسانوں کی مثل ہیں تو اس طرح کہنے میں ہرگز توہین نہیں۔

اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کو ہماری طرح بشر کہا گیا ہے تو ہم محض یہی کہیں گے آپ بشر ہونے کے لحاظ سے تو ہماری مثل ہیں لیکن مرتبہ، عزت وشرف اور احکامات میں ہماری مثل نہیں یہ بات آیت کے اگلے لفظ ﴿ يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾ نے واضح کر دی۔

عقلی دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ ماں، بہن اور بیٹی عورت ہونے میں بیوی کی مثل ہیں تو کیا بیوی کو ماں، بہن یا بیٹی کہا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب بھی اوپر والی تشریح سے ہی مل جاتا ہے کہ مماثلت محض عورت ہونے میں تو ہے باقی احکامات میں نہیں ہم بیوی کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ محض عورت ہونے میں تو میری ماں، بہن یا بیٹی کی مثل ہے لیکن باقی احکامات میں فرق ہے۔ لہٰذا اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

صوم وصال اور مثلیت کی نفی:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا حضور آپ تو وصلی روزے رکھتے ہیں پس آپ ﷺ نے فرمایا:

لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔

’’نہیں ہوں میں تم میں سے کسی ایک کی مثل۔‘‘

نیز فرمایا: میں رات گزارتا ہوں مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔[صحیح بخاری،ص:۲۶۳۵،ج:۱]

اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کسی کی مثل ہونے کی نفی کی ہے۔لہٰذا آپ کسی کی بھی مثل نہیں۔

جواب:اس میں بھی وہی بات ہے کہ جو مسئلہ ہو رہا ہے اس میں مثلیت کی نفی ہے نا کہ ہر چیز کی یعنی وصلی روزہ رکھنے میں کوئی نبی علیہ السلام کی مانند نہیں اس کی وجہ بھی آپ نے بتادی کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وصلی روزے کی حالت میں بھی کھلایا اور پلایا جاتا ہے جب کہ تمہارا یہ معاملہ نہیں۔

اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ نے واضح کر دیا تھا کہ

انکم لستم فی ذلك مثلی انی ابیت یطمنی ربی ویسقینی ۔ [صحیح مسلم، ج:۱، ص: ۳۵۲]

’’تم اس (وصلی روزہ رکھنے) میں میری مثل نہیں کیوں کہ میں رات گزارتا ہوں میرا ربّ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔‘‘

اس بات کو قرآنِ مجید کی رو سے سمجھیں:

قوم عاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ ﴾ [الفجر ۸۹: ۶-۸]

’’کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے ربّ نے عاد کے ساتھ کس طرح کیا۔(وہ عاد) جو ارم (قبیلہ کے لوگ) تھے ستونوں والے۔ وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔‘‘

یہاں قوت وطاقت ودراز قامتی میں مثلیت کی نفی ہے نا کہ ہر چیز میں،اب اگر کوئی ان الفاظ کو سامنے رکھ کر یہ کہنا شروع کر دے کہ قوم عاد انسان تھے ہی نہیں کیوں کہ ان جیسا اللہ نے کسی کو پیدا کیا ہی نہیں تو کیا یہ درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

ثابت ہوا جیسے مماثلت کا اثبات ان باتوں میں ہوگا جن کا ثبوت مل جائے اسی طرح نفی بھی ان ہی باتوں میں ہوگی جن کی دلیل مل جائے۔

تو مذکورہ حدیث میں وصلی روزہ رکھنے میں مماثلت کی نفی ہے نہ کہ ہر چیز میں۔

بیٹھ کر نفل پڑھنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مسئلہ پہنچا کہ رسولِ اکرم نے فرمایا ہے جو آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا اسے آدھا ثواب ملے گا لیکن ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا تو پریشان ہوگئے اور سوال کیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: مسئلہ اسی طرح ہے لیکن (لست کاحد منکم) نہیں ہوں میں تم میں سے کسی ایک جیسا۔
[صحیح مسلم،ج:۱،ص:۲۵۳]

اس حدیث میں بھی رسولِ اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ میں تم سے کسی جیسا نہیں ہوں۔

ثابت ہوا آپ ہماری مثل نہیں۔

جواب: حدیث کے الفاظ اور مفہوم پر غور فرمائیں بات بالکل ظاہر ہے کہ رسول کریم نے جس مماثلت کی نفی فرمائی ہے وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کے ثواب کے متعلق ہے کہ عام آدمی اگر ایسا کرے گا تو اسے آدھا ثواب ملے گا مگر محمد کریم ﷺ اس مسئلہ میں عام آدمی جیسے نہیں آپ کو اس شکل میں بھی پورا ثواب ملے گا۔

اس دلیل کو بنیاد بنا کر آنحضرت ﷺ کو بشریت سے خارج کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

میں سوال کرتا ہوں اگر کوئی آدمی اسے بنیاد بنا کر کہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ جیسی نماز نہیں پڑھیں گے کیوں کہ آپ ہم جیسے نہیں، ہم حج آپ کی طرح نہیں کریں گے کیوں کہ آپ ہم جیسے نہیں، ہم حقوق العباد اس طرح ادا نہیں کریں گے جیسے آپ ﷺ کرتے تھے کیوں کہ آپ ہمارے جیسے نہیں،تو کیا اس کا استدلال درست ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہم کہیں گے بھائی دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ہم رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر ہی کریں گے۔

بالکل اسی طرح یہاں بھی کہا جاتا ہے بھائی دوسرے دلائل سے پتا چلتا ہے کہ بعض باتوں اور احکامات میں آنحضرت ﷺ ہمارے جیسے ہیں ان میں ایک مسئلہ بشریت کا بھی ہے۔قرآنِ مجید کی دلیل سے یہ بات سمجھیں۔

ازواجات مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾

[الاحزاب ۳۳:۳۲]

''اے نبی کی بیویو! تم عورتوں میں سے کسی ایک جیسی نہیں ہو۔''

یہاں ازواجِ مطہرات کی عام عورتوں سے مماثلت کی نفی کی گئی ہے تو کیا ہر طرح کی مماثلت کی نفی یا کہ فضیلت وعزت اور بعض احکامات کی نفی ہے؟

ظاہر ہے ہر طرح کی نفی نہیں ہوسکتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں ازواج مطہرات اور عام خواتین کو لفظ نساء سے پکارا ہے یعنی عورت ہونے کی نفی نہیں اسی طرح کئی اور احکامات ہیں مثلاً جتنی نمازیں اور روزے عام عورتوں پر فرض اتنے ہی ازواج مطہرات پر فرض ہیں اور بھی کئی مماثلتیں ہیں۔

تو اگر کوئی آدمی اس آیت کو سامنے رکھ کر یہ کہنا شروع کر دے کہ ازواجِ مطہرات انسان نہیں کیوں کہ یہ دوسری عورتوں کی مانند ہیں ہی نہیں تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

ثابت ہوا مماثلت کی نفی بھی انہیں باتوں میں تسلیم کی جائے گی جن کا ثبوت مل جائے گا ہر ایک میں نہیں۔

صحابہ کا عقیدہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان اعمال کا حکم دیتے جن کی لوگ طاقت رکھتے تھے، صحابہ نے عرض کیا کیا انا لسنا کھیئاتك کہ ہم آپ کی طرح نہیں۔

[بخاری، ج:۱،ص:۷،مقیاس نور،ص:۱۹۲]

معلوم ہوا صحابہ بھی اپنے آپ کو رسولِ اکرم ﷺ کی مانند تسلیم نہیں کرتے تھے۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا عمر اچھروی کی طرح یہ لوگ اس حدیث کو مکمل بیان نہیں کرتے کیوں کہ اگلے الفاظ میں ان کی تحریف قرآنی واضح ہوتی ہے۔ نیز اپنے آپ کو رسول کی مثل نہ ماننے کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

آگے الفاظ ہیں:

ان اللّٰه قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر ۔

(ہم آپ کی مثل نہیں) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ نبی ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم بالله انا ۔

یعنی صحابہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ہماری طاقت سے بڑھ کر عمل کرنے کی ضرورت ہے ہمیں بخشش کی گارنٹی نہیں ملی اور آپ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے گارنٹی دی ہے اس لیے اگر آپ عمل نہ بھی کریں یا اپنی طاقت کے مطابق بھی کریں تو کوئی حرج نہیں۔ تو رسولِ اکرم ﷺ غصہ ہوئے اور صحابہ کو ڈانٹا کہ تم کتنی ہی عبادت کرلو مجھ سے بڑھ نہیں سکتے۔ اس لیے کہ معرفت الٰہی تم سب سے زیادہ مجھ کو حاصل ہے۔

ثابت ہوا اعمال بجالانے میں مماثلت کی نفی ہے۔

صحابہ کا عقیدہ تو بالکل واضح الفاظ میں احادیث میں موجود ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام گھر کے کام کاج کرلیا کرتے تھے۔ کپڑے درست کر لیتے، بکری کا دودھ نکال لیتے تھے کیوں کہ کان بشرا من البشر آپ انسانوں میں سے ایک بشر تھے۔

[مسند احمد، ج:۶،ص:۲۵۶]

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی وفات پر جب حضرت عمر نے اختلاف کیا تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا، نبی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں:

وانه لبشر وانه یأسن کما یاسن البشر ۔

کیوں کہ آپ بشر تھے اور آپ دیگر انسانوں کی طرح ہی تغیر حالات کا شکار ہوتے تھے۔[سنن دارمی، ج:۱،ص:۵۳،رقم:۸۳] [جاری]



گوشۂ خواتین

بیویوں کے باھمی تعلقات ❷

ام عبد منیب

ایک سے زائد بیویاں کرنے کے فائدے:

ایک سے زائد بیویاں کرنے کے بہت سے فائدے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

⊙......اگر ایک بیوی کسی وجہ سے تمام حقوق یا کوئی بھی حق ادا کرنے کے قابل نہیں رہی تو دوسری مرد کی اس کمی کو پورا کردے گی۔

⊙......اگر کوئی بے سہارا خاتون ہے تو اسے تحفظ مل جائے گا۔

⊙......دورِ حاضر میں عورتیں زیادہ ہیں اور مرد کم، عورتوں کے رشتے ملنا مشکل ہو چکا ہے، مرد کا ایک سے زائد بیویاں کرنا اس مشکل کا بہترین حل ہے۔

⊙......دو، تین یا چار بیویوں کی صورت، بیویوں میں تقسیم کار کی وجہ سے عورت کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے۔

⊙......غیر مسلم حلقے ایک شادی ہی کو ترجیح دیتے اور اس کی وکالت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک سے زائد بیویاں کر کے مسلم معاشرت کے ایک اہم پہلو کو رواج دینا بذاتِ خود مستحسن ہے۔

⊙......دورِ حاضر میں بے حیائی اپنے تمام عوامل کے ساتھ گٹروں کے گندے پانی کی صورت ابل کر باہر آ گئی ہے، جس کی بدبو ہر شخص کو کسی نہ کسی حد تک متاثر کر رہی ہے۔ نامحرم عورتوں کی تصویریں دیکھنے، ان سے باتیں کرنے، ان کو جان بوجھ کر چھونے، گندی اور غلیظ فلمیں اور مناظر دیکھنے، جیسے ممنوعہ افعال کی بجائے یہ بات بدرجہا بہتر ہے کہ ایک پاک دامن اور عفت مآب شخص اپنی نظر اور دل کی عفت کے تحفظ کے لیے چار تک بیویاں کر لے۔

ہر عورت کی خواہش پورا خاوند:

ہر عورت فطری طور پر چاہتی ہے کہ اس کا خاوند صرف اس کا رہے۔ دنیا کے وہ معاشرے جہاں لاتعداد بیویاں کرنے کا رواج رہا یا اب بھی ہے وہاں بھی عورتیں سوکن کا وجود بادلِ ناخواستہ ہی قبول کرتی ہیں۔ دنیا میں جتنے بھی رشتوں کے نام اور روپ ہیں ان میں سے عورت کے لیے سوکن نشتر کی طرح چبھتا ہوا لفظ ہے۔ عورت کے ساتھ ساتھ اس کے والدین اور بہن بھائی بھی اس کے لیے سوکن کے وجود کو ناپسند کرتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ تمام والدین ایسے مرد سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا پسند کرتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور جس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا۔

صرف وہی داماد سسرال میں اچھا سمجھا جاتا ہے جو حسن سلوک کے ساتھ ساتھ ان کی بیٹی کو بھرپور محبت اور بلا شرکت غیرے رفاقت دے۔ ہر معاشرے میں شوہر کی اس خوبی کو سراہا جاتا ہے۔ نیز بیوی کی قدردانی یا اس کے والدین کے احترام کا یہ ایک پیمانہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی بیٹی کی موجودگی میں دوسری بیوی نہ لائی جائے۔

سوکناپے میں حسد و رقابت کے جذبات ایک عام بات ہے۔ اسی رقابت کے پیشِ نظر اسلام نے ایک مرد کو ایسی دو عورتوں کو ایک ہی وقت میں اپنی تزویج میں رکھنے کو حرام قرار دیا ہے جن کا آپس میں حرمت کا رشتہ ہو۔ مثلاً دو بہنیں، خالہ بھانجی، پھوپھی بھتیجی وغیرہ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

" نهى رسول الله ﷺ اَنْ يُّنْكِح الْمرأة علٰى عمّتِها او خالَتِها ۔" [صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها]

''رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کی پھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں رکھے۔''

راوی حدیث زہری کہتے ہیں کہ باپ کی پھوپھی اور خالہ کا بھی یہی حکم ہے (ماں کی پھوپھی اور خالہ کا بھی یہی حکم ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب انہوں نے آپ ﷺ سے اپنی بہن کو نکاح میں لانے کی خواہش ظاہر کی۔

" لَا تُعْرِضْنَ عَلَیّ بَنَاتِکُنَّ وَلَا اَخَوَاتِکُنَّ ۔"

[بخاری، کتاب النکاح، باب ان تجمعوا بین الاختین]

''مجھ پر اپنی بہنیں اور بیٹیاں پیش نہ کیا کرو (نکاح کے لیے) کیوں کہ یہ حرام ہے۔''

یاد رہے کہ یہ حکم بیوی کی علاتی، اخیافی، حقیقی اور رضاعی تمام بہنوں، بھانجیوں، بھتیجیوں، خالاؤں اور پھوپھیوں کے لیے ہے۔

بعض لوگ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی باہمی رنجشوں کا حوالہ دیتے ہیں حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی زندگی بھی لوگوں کے سامنے لانا اس لیے ضروری تھا کہ لوگ یہ جان لیں کہ اس ضمن میں خاندانِ نبوت کا اسوہ کیا ہے؟ اس عظیم خاندان میں نو بیویاں ہونے کے باوجود صرف ایک دو یا تین معمولی سے واقعات پوری زندگی میں ہوئے اور ان واقعات کی ناخوشگواری کا کوئی اثر امہات المومنین کی زندگی پر نظر نہیں آتا......لیکن یہاں تو عالم یہ ہے کہ دن میں بیسیوں وہ نازک لمحات آتے ہیں جب بیوی خودکشی کی دھمکی دیتی ہے یا بے ہوش ہوکر......یا چلا چلا کر پورے محلے کو بتاتی ہے کہ اس کے شوہر صاحب نے دوسری بیوی کرلی ہے۔ مرد بھی ان لطائف سے لطف اندوز ہوکر جھنجھلاہٹ، گالیوں اور طعن و تشنیع کے تیر خوب چلاتا ہے۔ اور دوسری بیوی کرنے کا واقعہ جسے خوشگوار ہونا چاہیے تھا ایسی ناخوشگواری پھیلاتا ہے کہ اس کا شکار بیویاں، بیویوں کے تمام رشتے دار اور سہیلیاں، مرد اور اس کے تمام رشتے دار نیز دوست بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔

سوکن اور حکم ربی:

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حق ہے اور اس کے حکموں کے مطابق فیصلے کرنا بھی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ [النسآء:۳]

''تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں، ان سے نکاح کرلو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کرسکو گے تو ایک پر اکتفاء کرو یا جو کنیز تمہاری ملک میں ہے اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع زیادہ قریب ہے۔''

ہمارے معاشرے میں عورتیں سوکن کا نام سنتے ہی بپھر جاتی ہیں اگر واقعی سوکن آجائے تو چیخ چیخ کر محلّہ سر پر اٹھا لیتی ہیں۔ روٹھ کر میکے چلے جانا، مرد کی تنگ دلی کی فرضی کہانیاں سنانا، دوسری بیوی کو چالاک، مکار، ظالم اور ڈائن ثابت کرنا، خودکشی کی دھمکی دینا اور طلاق کا مطالبہ کرنا ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔

حالاں کہ اگر عورت اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کے حق ہونے پر ایمان رکھتی تو پھر اس پر واویلا کرنا چہ معنی؟ ناگواری کا اظہار کیوں؟ چیں بہ جبیں ہونا کیسا؟

مرد نے اپنے حق میں یہ خود قانون سازی تو نہیں کی بلکہ وہ جس ربّ واحد پر ایمان لایا ہے اور جس ربّ اکبر پر اس کی بیوی کا بھی ایمان ہے اور دونوں جس دین پر چلنے میں فخر اور اطمینان محسوس کرنے کے دعوے دار ہیں اسی نے یہ قانون اور حکم دیا ہے کہ مرد چاہے تو ایک سے زائد چار تک بیویاں کرسکتا ہے۔

جو لوگ دین سے برگشتہ ہیں وہ کبھی اسلام کے قانونِ شہادتِ نسواں پر اعتراض کرتے ہیں......کبھی دیت پر تنقیص......کبھی حدود پر عیب گیری......کبھی پردے کو تنگ نظری کا نام دیتے ہیں......کبھی تعدد ازدواج کو عورت پر ظلم کہتے ہیں......دین پر عمل پیرا عورتوں کا سوکن کے نام پر احتجاج کا غیر اسلامی انداز اختیار کرنا کیا ان ملحدانہ سوچ کے حامل مرد وزن کی ہم نوائی نہیں؟ کیا اس طرح ان کے موقف کو مضبوطی نہیں ملتی؟

اگر دین پسند بہنیں تعدد ازدواج کے حکم پر عدم اطمینان کا اظہار کریں تو اسے کیا کہا جائے گا اسلام سے انحراف یا اسلام سے محبت؟...... قرآن حکیم پر ایمان یا عملی شک......؟

سوکن ایک ناگوار رشتہ:

سوکن کا وجود ناگوار ہونا دنیا کی مانی ہوئی حقیقت ہے لیکن کسی حکم

کے ناپسند ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے لیے ضرر رساں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر حکم میں ہمارے لیے بھلائی اور بیسیوں فائدے رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو کرنا اور جن کاموں سے رکنے کا حکم دیا ہے ان سے رک جانا ہمارے نفس پر گراں گزرتا ہے...... ہمارا دل ان میں سے اکثر کو کرنے...... یا ان سے رک جانے پر قطعاً آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن ہم اللہ کی رضا کی طلب کے لیے ویسا ہی کرتے ہیں جیسا اس کا حکم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بارے میں فرمایا:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرة: ٢١٦]

''تمہارے اوپر قتال فرض کر دیا گیا حالاں کہ وہ تم پر گراں ہے لیکن کیا عجب کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو لیکن وہ تمہارے حق میں (باعث) شر ہو اور علم تو اللہ ہی رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔''

سوکن کو ایک ناپسندیدہ اور تلخ حقیقت ہونے کے باوجود اللہ کا حکم سمجھ کر برداشت کرنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہی ایک مسلمان عورت کے شایانِ شان ہے۔

خاوند کو دھمکیاں:

سوکن کی آمد کا پتا چلتے ہی خاوند کی بہت ہمدرد، خیر خواہ، اس سے محبت کرنے والیاں اور اطاعت شعار بیویاں بھی بدکلامی، نافرمانی اور الزام تراشی پر اتر آتی ہیں۔ نیز یہ دھمکی بھی دیتی ہیں کہ وہ خود کشی کر لیں گی یا یہ کہ وہ طلاق لے لیں گی۔ بعض عورتیں تو اتنی ضدی ثابت ہوتی ہیں کہ وہ سالوں تک ہار نہیں مانتیں اور دوسری بیوی کو برداشت کرنے کے لیے اپنے آپ میں کوئی لچک پیدا نہیں کرتیں۔ عورت کا مرد کو بلاوجہ تنگ کرنا، اس کی نافرمانی کرنا یا اس پر الزام تراشی کرنا سخت ترین گناہوں میں سے ہے۔

دوسری بیوی پر الزامات:

ایک بیوی کا دوسری بیوی کو چالاک، مکار، ظالم اور بے انصاف کہنا، اس کے کردار میں عیب لگانا، یا اس کی ٹوہ میں رہنا سخت ترین گناہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لَا تَبَاغَضُو وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدابَروا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانَا وَلَا يَحِلُّ لِمسلِمٍ انْ يَهجُرَ اَخَاهُ فَوقَ ثَلَاثَةِ ايّامٍ ـ" [صحيح بخارى، كتاب الادب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، ح: ٦٠٦٥]

''ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، دل میں ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بات چیت بند کرنا جائز نہیں۔''

اگر دوسری بیوی آئی ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں جب کہ اس کے سرپرستوں نے باقاعدہ شریفانہ طریقے سے اپنی بیٹی کو مرد کے نکاح میں دیا ہے۔ ایک بار نکاح ہو جانے کے بعد اسے توڑ دینے کی خواہش کرنا یا عورت کا ایسے حالات پیدا کر دینا کہ مرد کو دوسری بیوی کو طلاق ہی دینے میں اپنی عافیت نظر آئے یہ بھی سخت گناہ ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لَا يَحِلُّ لِامْرأةٍ تَسْأَلُ طَلَاق لِاُخْتِهَا لِتَسْتَفرِغَ صحفتِهَا فإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِرَ لَهَا ـ" [بخارى، كتاب النكاح، باب الشروط التى لا تحل فى النكاح]

''کسی عورت کا اپنے خاوند سے یہ مطالبہ کرنا درست نہیں کہ وہ اس کی بہن (سوکن) کو طلاق دے دے تا کہ اس کے حصے کا پیالہ بھی خود انڈیل لے...... یہ نہیں ہو سکتا، جتنا اس کی قسمت میں ہے اسے مل کر رہے گا۔''

دوسری بیوی کرنے کا کام مرد نے کیا ہے اور یہ ایک جائز کام ہے لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بیوی دوسری بیوی کو طلاق دلوا کر انتقام لے۔ دوسری بیوی کو خواہ مخواہ موردِ الزام ٹھہرانا، اس کی ذات اور خاندان کے عیب گنوانا، اسے ہر صورت نیچا دکھانے کی کوشش کرنا، یہ تمام امور اپنی اپنی جگہ پر گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔

سوکن کا آنا پہلی بیوی کی ناقدری نہیں:

سوکن کا آنا پہلی بیوی کی سخت توہین اور بے قدری سمجھی جاتی ہے، بعض نئی آنے والی بھی کچھ اسی قسم کا احساس دلاتی ہیں کہ پہلی بیوی میں فلاں فلاں خامیاں تھیں جن کی وجہ سے مرد نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے۔ حالاں کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں اور اگر حقیقی بھی ہوں تو اس میں توہین کا پہلو نہیں پایا جاتا۔

عورت کو یہ سوچنا چاہیے کہ کامل تو کوئی انسان نہیں۔ اگر اس کے اپنے اندر خوب صورتی، سلیقے، تعلیم، حسن اخلاق یا کسی اور پہلو سے کوئی کمی تھی تو مرد نے اس کمی کا ازالہ کرلیا اور یہ اس کا حق بھی تھا، اس نے کوئی ناحق قدم نہیں اٹھایا...... ناحق قدم تو یہ تھا کہ وہ کسی عورت سے ناجائز تعلقات قائم کرلیتا۔

اگر عورت کے لیے سوکن کا آنا بے قدری یا توہین کا باعث ہوتا تو دنیا کی وہ منتخب اور معزز عورتیں جو طیبات وطاہرات کی صف اوّل میں شمار ہوتی ہیں ان پر رسول اللہ ﷺ سوکنیں نہ لاتے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھیں اس کے باوجود ان پر بھی سوکنیں آئیں لیکن ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قدر ومنزلت میں رسول اللہ کے ہاں کوئی فرق نہیں آیا۔ حالاں کہ یہ وہ بیوی ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح ثرید کی دوسرے کھانوں پر۔'' [بخاری:۴/۱۸۹۵، ترمذی:۵/۲۶۴]

صرف یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے باعفت کردار کی گواہی میں وحی نازل فرمائی۔ غرض یہ کہ کوئی عورت یہ مت سوچے کہ اس کی خاوند کے ہاں قدر ومنزلت کم ہوگئی تھی یا محبت میں کمی آگئی تھی اس لیے خاوند نے دوسری شادی کرلی۔

خدشات:

سوکن کا سنتے ہی عورت کو بہت سے خدشات گھیر لیتے ہیں مثلاً خاوند انصاف نہیں کرے گا۔ آنے والی اس کی دولت، اس کے دل، اس کے اوقات اور اس کی توجہ کو اپنی مٹھی میں کرلے گی۔ بچے باپ کی شفقت کو ترس جائیں گے، وغیرہ۔

مرد کو چاہیے کہ وہ بیویوں کے درمیان نظامِ عدل قائم کرکے عورتوں کے ان خدشات کو غلط ثابت کردے تاکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اجازت معاشرے کے لیے قابل قبول ہی نہیں بلکہ قابل ترجیح بن کر سامنے آئے۔

مالی مشکلات کا خدشہ:

بعض عورتوں کو یہ خدشہ ہوتا ہے کہ خاوند ایک بیوی اور اس کے بچوں کے اخراجات تو پورے نہیں کرسکتا اب دوسری بیوی اور بچوں کو کہاں سے کھلائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس خدشے کی تردید میں فرمایا ہے:

﴿ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [النور:۳۲]

''اور تم اپنے بے نکاحوں کے نکاح کردیا کرو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو اس لائق ہوں ان کا بھی (نکاح کردو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے۔''

معلوم ہوا کہ نکاح وسعت رزق کا باعث ہے نہ کہ تنگی رزق کا۔ ہر نئے آنے والے فرد کا رزق اور اس کے ذرائع اللہ تعالیٰ نے پہلے سے طے کر رکھے ہیں۔ کوئی کسی کے حصے کا ایک لقمہ بھی اپنی مرضی سے کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے نئی بیوی اور بچوں کی آمد کے ساتھ ہی رزق کے ایسے وسائل مہیا ہوجائیں جو پہلے سے کہیں زیادہ وسعت رزق کا سبب بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی عورت اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کی بہن (سوکن) کو طلاق دے دے تاکہ جو کچھ اس کے برتن میں ہے وہ بھی اپنے پاس انڈیل لے جو کچھ اللہ کی طرف سے لکھ دیا گیا ہے وہ اسے مل کر رہے گا۔'' [بخاری، کتاب النکاح]

حقوق ادا نہ کرسکنے کا خدشہ:

اکثر پہلی بیویاں یہ کہتی ہیں کہ خاوند نے کبھی میرے اکیلی کے حقوق پورے نہیں کیے تو دو یا تین بیویوں کے حقوق وہ کیسے پورے

کرے گا؟ یہ خدشہ اس لیے بے بنیاد ہے کہ اصل صورتِ حال نکاح کے کچھ مدت گزرنے کے بعد ظاہر ہوا کرتی ہے کیوں کہ بہت سے نکمے اور غیر ذمہ دار افراد ذمہ داری کا بوجھ زیادہ ہونے پر بہترین فرض شناس، عقل منداور حقوق ادا کرنے میں متحرک ثابت ہوتے ہیں۔

تجربہ مگر کتنی مدت؟

ایک صالحہ اور مومنہ عورت کو حالات کا گہری نظر سے جائزہ لینے اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے کم ازکم اتنی مدت انتظار کرنا چاہیے کہ مرد کا دل نئی بیوی سے سیر ہوجائے اور وہ شروع شروع کی جذباتی کیفیت سے نکل جائے۔

ہمارے یہاں اکثر مرد نئی بیوی پر اتنے لٹو ہوتے ہیں کہ پہلی بیوی کو یک سر فراموش کردیتے ہیں یا اسے خاطر ہی میں نہیں لاتے۔ جب جذباتی مدت گزرجاتی ہے تو پھر انہیں یاد آتا ہے کہ پہلی بیوی میں تو فلاں فلاں خوبیاں ہیں جو دوسری بیوی میں نہیں ہیں۔ مردوں کا یہ رویہ سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو طلاق دینے کے آداب کے ضمن میں فرمایا:

﴿ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ﴾ [البقرۃ:۲۳۷]

''اورآپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔''

حالاں کہ یہ تو مرد کی وہ بیوی ہے جسے اس نے مستقل اپنے پاس رکھنا ہے اور بڑے جوش، محبت اور ناز نخرے کے ساتھ دونوں نے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا اور تاحال ایک دوسرے کے رفیق، شریک اور مشیر بن کر زندگی گزارتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا نئی بیوی کو پا کر پہلی کو فراموش کردینا...... یا اسے اس انداز سے ڈرانا دھمکانا کہ اب تمہاری ضروریات کی پرواہ نہیں ہے، انتہائی برا رویّہ ہے۔

ایک سمجھ دار اور باایمان عورت کو چاہیے کہ وہ ان ایام میں تحمل اور تدبر سے کام لے۔ مرد اگر ناپسندیدہ رویے کا اظہار کررہا ہے تو اس پر سیخ پا نہ ہو، جلد ہی وہ اس کی طرف دوبارہ مائل ہوجائے گا۔

سوکن یا بہن؟

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں سوکن کے لیے بہن کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" لَا يَحِلُّ لِامرَأَةٍ تسأَلُ طَلاق لِأُختِهَا لِتَستَفرِغَ صَحُفتِهَا فإِنَّما لَهَا مَا قُدِرَ لَهَا ـ"

[صحیح بخاری، کتاب النکاح]

''کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بہن (سوکن) کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسے اپنے برتن میں انڈیل لے، پس اس کے لیے وہی ہے جو مقدر کیا جاچکا ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث پہلے گزر چکی ہے، اس میں آپ ﷺ نے ''اختها'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ بیویوں میں بہن ہونے کی کئی وجوہات ہیں، مثلاً:

⊙...... دونوں کا تعلق دین اسلام سے ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں اور عورتیں بہنیں۔

⊙...... دونوں ایک ہی مرد کی بیویاں ہونے کی وجہ سے یکساں مرتبہ کی حامل ہیں۔

⊙...... سوکناپہ اور رقابت کسی غیر اسلامی معاشرے میں تو خطرناک مرحلے تک جاسکتے ہیں لیکن دین اسلام میں یہ بہنوں جیسی محبت اور بہنوں جیسی شکایات تک ہی محدود رہتے ہیں۔ اسلامی اخوت بہت آگے بڑھ جانے کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لَا يُؤمِنُ احدُكم حتّٰى يحِبُّ لَاخيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ـ" [مسلم، کتاب الایمان]

''کوئی تم میں سے اس وقت تک (سچا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

یہ حقوق ادا کرنے کا اتنا معیاری اور مفید پیمانہ ہے کہ اس کی موجودگی میں حسد، نفرت، کینہ، غصہ، ضد، خیانت، بغاوت، بدخواہی، بدگمانی، لالچ، بخل، غرور جیسی برائیاں تھوڑی دیر کے لیے سر ابھاریں بھی تو ندامت کے ساتھ کچھ دیر بعد دب بھی جاتی ہیں۔ [جاری ہے]

تحقیق وتنقید

انوار السنن لازالۃ الفتن پر ایک نظر ❶

حافظ ریاض احمد عاقب، ملتان

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ ان کی بلند پایہ تصانیف ان کی عظمت و رفعت اور علوم مرتبت کا پتا دیتی ہیں۔ حافظ مشرق رحمہ اللہ کی ساری تصانیف معلومات کا بے بہا خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے نظیر و بے مثال ہیں۔

حافظ موصوف کی فقہی ابواب پر ترتیب کردہ ایک چھوٹی سی کتاب ''بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام'' ہے جو اختصار کے ساتھ ساتھ بڑی جامعیت کی حامل ہے۔ تقریباً احکام کے سلسلہ کی تمام احادیث مبارکہ اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''بلوغ المرام'' کسی خاص مسلک کی آئینہ دار نہیں ہے بلکہ آپ نے ''بلوغ المرام'' میں وہ احادیث رسول ﷺ جمع کی ہیں جن سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین نے اپنے اپنے مذہب کے مطابق استنباط کیا ہے اور اس معاملہ میں حافظ صاحب رحمہ اللہ نے مختلف مکاتب فکر کے مستدل نہایت شرح صدر کے ساتھ بیان کیے ہیں اور مذاہب متداولہ میں سے کسی کا مستدل پیش کرنے میں بخل اور تعصب سے کام نہیں لیا۔ ہر ایک حدیث جو احکام میں دلیل بن سکتی ہے حافظ موصوف نے اسے بیان کر دیا ہے۔

خواہ وہ حدیث حنفیہ کے موافق ہو یا شافعیہ کے اور خواہ وہ مالکیہ کی دلیل ہو یا حنابلہ کی اور اسی طرح خواہ وہ کسی امام یا مسلک والوں کا مستدل ہے، اس کی آپ نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ گویا کہ آپ نے منصف مزاجی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب کتب حدیث کی ترتیب کے بجائے کتب فقہ کی ترتیب پر رکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں بعض احادیث مبارکہ مکرر بیان کی گئی ہیں۔ لیکن ان کو ہر جگہ کسی الگ مقصد کے لیے لایا گیا ہے۔ اور ان سے نئے نئے استنباط کیے ہیں۔ جن سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی غایت تفقہ معلوم ہوتی ہے۔

ان خوبیوں کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی اعلیٰ خوبیاں موجود ہیں جو حافظ صاحب کے کمال علمی کو ظاہر کرتی ہیں۔ لہٰذا اس کتاب کو مجموعہ کمالات کہنا بے جا نہ ہوگا۔

اس کتاب کی ان خوبیوں کی بنا پر ہر دور کے منصف علمائے کرام نے اسے شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی تالیف کے زمانہ سے لے کر آج تک علمائے امت نے اس کی مختلف زبانوں میں بہت سی شروحات، تراجم اور حواشی تحریر کیے ہیں۔

آج ہر بڑی لائبریری میں ''بلوغ المرام'' کی عربی، فارسی اور اردو زبان میں شروحات و حواشی موجود ہیں یہ حافظ مشرق کے لیے بہت شرف اور عظمت کی بات ہے ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''بلوغ المرام'' کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اہل حدیث کے علمی حلقوں میں رونق بخشی وہاں حنفی مکتب فکر کے علمائے کرام نے اسے تعصب کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی قدر و منزلت گھٹانے کے لیے بعض احادیث کے مجموعے تیار کیے جن میں انہوں نے اپنے مسلک کے دفاع کے لیے ہر رطب و یابس کو جمع کیا۔

ماضی قریب میں ''آثار السنن'' کے نام سے مولانا ظہیر احسن نیموی نے ''بلوغ المرام'' کی طرز پہ ایک کتاب ترتیب دی۔ جس میں

انہوں نے اختلافی مسائل کی احادیث کو جمع کیا اور ایسی احادیث صحیحہ جو فقہ حنفی کے مخالف تھیں ان کو رد کیا۔ اگر چہ وہ اصول وقواعد حدیث کی رو سے صحیح اور ثابت تھیں۔

اور تاویل باطل کے ذریعہ ایسی ضعیف وکمزور روایات کو قوی قرار دیا جو حنفی مذہب کے موافق ومؤید تھیں بلکہ مولانا نیموی نے ''آثار السنن'' لکھتے وقت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے کافی استفادہ کیا اور جو کچھ وہ تحریر کرتے تھے اس تحریر کو مولانا کشمیری رحمہ اللہ کے سامنے پیش کرتے تھے اور مولانا انور شاہ رحمہ اللہ ان کی مکمل موافقت کرتے رہے۔

علاوہ ازیں نیموی صاحب نے ''آثار السنن'' پہ ''التعلیق الحسن'' کے نام سے تعلیقات کا اضافہ کیا اور جو متن میں کمی وکوتاہی رہ گئی تھی اسے تعلیق میں پورا کیا۔ جب نیموی رحمہ اللہ کی کتاب میں اس حد تک رطب ویابس کی بھر مار اور تساہل کو اپنے وقت کے عظیم محدث مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ (صاحب تحفۃ الاحوذی) نے محسوس کیا تو انہوں نے ''آثار السنن'' کے رد میں ''ابکاء المنن'' نامی کتاب لکھ کر صحیح محدثین کی جانشینی کا حق ادا کیا۔

اگر چہ مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ ''ابکار المنن'' کو مکمل نہ کر پائے تھے لیکن جو بھی انہوں نے لکھا وہ قابل تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے، آمین۔

مولانا نیموی رحمہ اللہ نے ''آثار السنن'' لکھ کر بزعم خویش ایک کارنامہ سرانجام دیا۔ لیکن ''آثار السنن'' کو اتنا عروج وشرف حاصل نہ ہوسکا جو ''بلوغ المرام'' کو حاصل ہے۔ وللہ الحمد

حال ہی میں ایک کتاب ڈیرہ غازی خان سے طبع ہوئی ہے جس کے لیے ہم نے یہ ساری تمہید بیان کی ہے۔ ہوا یوں میں جلال پور والا میں مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ سے ملاقات کے لیے گیا۔ وہاں مجھے ہمارے دوست مولانا حافظ عمران بن مولانا اللہ یار صاحب نے ''حنفی بلوغ المرام'' کے نام سے ایک کتاب دکھائی، جسے دیکھ کر مجھے انتہائی تعجب ہوا۔ وہ کتاب میں نے مولانا عمران سلفی صاحب سے مستعار لی۔ انہوں نے بخوشی مجھے عنایت کر دی۔ زیر تحقیق کتاب جس کے ٹائٹل پر جلی اور واضح حروف سے ''انوار السنن المعروف بہ حنفی بلوغ المرام'' مرقوم ہے۔

جسے مفتی قاضی شمس الدین علوی خطیب جامع مسجد مکی ومرکزی عیدگاہ ڈیرہ غازی خان نے ترتیب دیا ہے۔ مفتی مذکور قاضی عبید اللہ نقشبندی رحمہ اللہ کے صاحبزادہ ہیں۔ قاضی شمس الدین حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ بریلوی المشرب بھی ہیں۔

شمس الدین علوی صاحب نے ''حنفی بلوغ المرام'' لکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے اور خوب فقہ حنفی کا دفاع کیا ہے۔

قاضی موصوف نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی ''بلوغ المرام'' کی بعینہ طرز پر ''حنفی بلوغ المرام'' کو مرتب کیا ہے۔ بلکہ کتاب کی مکمل ترتیب وہی حفاظ ابن حجر رحمہ اللہ والی ہے۔ شروع میں اصول الحدیث کے نام سے اپنے والد قاضی عبید اللہ کے تحریر کردہ چند اصول کا ذکر کیا ہے۔

کتاب الطہارۃ شروع کرنے سے قبل قاضی شمس الدین نے عربی میں مختصر ''مقدمہ'' تحریر کیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے قاضی صاحب موصوف کے بقول:

> ''شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''بلوغ المرام'' علم حدیث کا ذخیرہ اور عجائب وغرائب کا خزانہ ہے۔ مصر میں شوافع کی کثرت کی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی تالیف میں شافعی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ میرے دل میں اکثر یہ بات اٹھتی ہے کہ میں بھی ''بلوغ المرام'' کی طرز پر ایک رسالہ تالیف کروں جس میں امام اعظم سراج امت ابوحنیفہ کے مسلک کو اختیار کروں۔ کیوں کہ پاکستان میں احناف کی کثرت ہے تو میں نے کتاب کو ترتیب دینا شروع کیا اور اس کا نام ''انوار السنن لازالۃ الفتن'' رکھا۔ اور حواشی میں اپنے والد کا ''فتاویٰ عبیدۃ نقشبندیہ'' ضم کر دیا ہے۔''

تفصیل میں جانے سے پہلے ''مقدمہ'' میں جو قاضی شمس الدین صاحب نے خلاف حقیقت بات لکھی ہے اس کو ہم واضح کر دینا فرض سمجھتے ہیں۔ قاضی علوی صاحب نے لکھا ہے: ''حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مصر میں کثرت سے شافعیہ ہونے کی وجہ سے ''بلوغ المرام'' میں

شافعی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ابھی ہم نے گزشتہ اوراق میں واضح کیا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف مکاتب فکر کے مستدل نہایت شرح صدر کے ساتھ بغیر کسی بخل اور تعصب کے پیش کیے ہیں۔ آپ نے صرف محدث ہونے کے ناطے حدیث بیان کی ہے یہ نہیں دیکھا کہ یہ کس امام یا مسلک والوں کا مستدل ہے۔ اور اسی طرح حدیث کی تصحیح وتضعیف صرف محدث کی حیثیت سے قواعد واصول حدیث کے مطابق کی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ حدیث فلاں فقہی مسلک کا مستدل ہے۔

حافظ موصوف نے تعصب سے بالاتر ہو کر احادیث ذکر کی ہیں لکن جو نیموی رحمہ اللہ موصوف کی ''آ ثار السنن'' ہے یا اب جو قاضی علوی کی ''انوار السنن'' ہے ان دونوں کتابوں میں حنفی مذہب کو برملا ضعیف وموضوع روایات کا سہارا لے کر ثابت کیا گیا ہے۔ اور صحیح روایات کو بلاوجہ ضعیف قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

اب قاضی صاحب کی ''حنفی بلوغ المرام'' کی طرف آتے ہیں کہ جس میں انہوں نے حنفیت کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔

''حنفی بلوغ المرام'' کے ابواب بعینہٖ ''بلوغ المرام'' (از حافظ ابن حجر) کی طرح ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بیان کردہ وہ احادیث جو صحیح تھیں۔ قاضی نے معلول، مضطرب، ضعیف کہہ کر انہیں ردّ کیا ہے۔ اور حنفی مذہب کی تائید کی خاطر کچھ ضعیف اور موضوع احادیث کا اضافہ کیا ہے۔

ان احادیث میں چند احادیث ہم قارئین کرام کے سامنے بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین قاضی صاحب کی جسارت پر مطلع ہو سکیں۔

(۱)......حدیث ولوغ الکلب:

حنفی بلوغ المرام کے مصنف نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِیْ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْیُهْرِقْهُ وَلْیَغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِیٍّ وَصَحَّحَ الشَّیْخُ تَقِیُّ الدِّیْنِ وَقْفَهٗ۔ [حنفی بلوغ المرام، ص:٤]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے برتن میں کتاب منہ ڈال دے چاہیے کہ اس کا پانی گرا دے اور اس کو تین بار دھویا جائے اسے ابن عدی نے نکالا ہے اور شیخ تقی الدین نے اسے موقوف صحیح کہا ہے۔''

قاضی شمس الدین نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ صحیح مرفوع حدیث نقل نہیں کی۔ جسے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب بلوغ المرام میں نقل کیا ہے۔ جس میں رسولِ اکرم ﷺ کے صحیح فرمان کے مطابق جب کتا برتن میں منہ ڈالے گا تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے گا۔ [ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب: حکم ولوغ الکلب، رقم الحدیث: ۶۴۷]

قاضی کے اس حدیث کو نقل کرنے پہ کچھ ملاحظات ہیں۔

① ...... پہلے نمبر پر قاضی صاحب نے اپنے مذہب کی تائید کی خاطر صحیح مسلم کی صحیح مرفوع روایت نظر انداز کر کے ضعیف ومنکر روایت نقل کی ہے۔

② ...... دوسرے نمبر پر قاضی صاحب موصوف نے ابن عدی کی ''الکامل'' سے حدیث تو نقل کر دی لیکن ابن عدی نے آگے جو کلام کی اسے نظر انداز کر دیا۔ جس میں انہوں نے اس حدیث کو ''منکر'' قرار دیا ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وَلَمْ یَرْفَعْهُ غَیْرُ الْكَرَابِیْسِیِّ، وَالْكَرَابِیْسِیُّ لَمْ أَجِدْ لَهٗ حَدِیْثًا مُنْكَرًا غَیْرَ هٰذَا۔" [ملاحظه هو: الكامل لابن عدى: ٢/ ٣٦٦، ٣٦٧]

''اس حدیث کو کرابیسی کے علاوہ کسی اور نے مرفوع بیان نہیں کیا اور کرابیسی کی اس حدیث کے علاوہ اور کوئی منکر حدیث میں نے نہیں پائی۔'' [مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: لسان المیزان:

۲/ ۵۴۷ از حافظ ابن حجر العسقلانی، وتحفۃ الاحوذی: ۱/ ۳۱۹، رقم الحدیث:۹۱]

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی مکمل کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وَرَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِيُّ فِي الْعِلَلِ الْمُتَنَاهِيَةِ" مِنْ طَرِيْقِ ابْنِ عَدِيٍّ، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ، لَمْ يَرْفَعْهُ غَيْرُ الْكَرَابِيْسِيِّ، وَهُوَ مِمَّنْ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيْثِهٖ." [تفصیل کے لیے دیکھیں: نصب الرایۃ: ۱/ ۱۸۵]

''علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ''علل متناہیہ'' میں امام ابن عدی رحمہ اللہ کی سند سے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسے صرف (حسین بن علی) کرابیسی نے مرفوع ذکر کیا ہے اور وہ ایسے راویوں سے ہیں کہ جن کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔''

③......تیسرے نمبر پر قاضی صاحب نے خود یہ بات (وَصَحَّحَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّيْنِ وَقْفَهٗ) کہہ کر تسلیم کرلیا ہے کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے جب یہ روایت منکر تھی تو پھر اسے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

④...... چوتھے نمبر پر قاضی صاحب نے جو یہ کہا: ''کہ شیخ تقی الدین نے اسے موقوف صحیح کہا ہے۔'' اسے موقوف صحیح کہنا بھی غیر صحیح ہے۔

مختصراً عرض ہے کہ یہ روایت موقوف بھی صحیح نہیں ہے۔ قاضی سے پہلے مولانا نیموی رحمہ اللہ نے بھی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قولی وفعلی روایت ذکر کرنے کے بعد اسے صحیح کہا تھا۔

[دیکھو: آثار السنن، ص:۲۶، طبع مکتبہ حسینیہ گوجرانوالا]

مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''تحفۃ الاحوذی: ۱/ ۳۱۸'' اور ''ابکار المنن فی تنقید آثار السنن، ص: ۲۹-۳۲'' میں اچھی بحث کی ہے اور اسی طرح علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے ''السعایۃ، ج:۱، ص: ۴۵۴'' میں حق بات کا اعلان کیا ہے۔ شائقین ان کتب کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔



شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد بنیامین طور جوارِ رحمت میں

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ بنیامین طور صاحب (شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، مہتمم جامعہ سدرۃ الاسلام للبنات جھوک دادو، تاندلیانوالہ ضلع فیصل آباد) طویل علالت کے بعد ۱۶ جون ۲۰۰۹ء بروز جمعرات وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف ایک تفسیر حدیث فقہ علم میراث کے مسلمہ استاذ جید عالم تھے۔ ان کی ساری زندگی تدریسی سرگرمیوں میں گزری۔ اپنی حیات مبارکہ میں تقریباً ۴۰ بار صحیح بخاری شریف انہوں نے طلباء کو پڑھائی ان کے بے شمار شاگرد ہوئے۔ طالبات کا ایک عظیم الشان مدرسہ اپنے گاؤں میں بنایا۔ یہاں بھی بہت سی طالبات نے استفادہ کیا۔ کئی ایک گھر والوں کے عقائد صحیح ہوئے اور طلب علم کے لئے آنے والوں نے علوم اسلامیہ کا فیض پایا۔ مرحوم نے مختلف مدارس وجامعات میں پڑھایا۔ ان کی بعض تصنیفات بھی تھیں جو اہل علم کے لیے ایک علمی خزانہ ہیں۔ ان کے شاگردوں کے بھی کئی شاگرد ہیں۔ جو یقیناً ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

مرحوم کی نماز جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ امجد چھتوی صاحب نے پڑھائی۔ جھوک دادو طور میں ان کے مدرسہ میں نماز جنازہ کے وقت ایک بڑا جم غفیر شامل تھے۔ مدرسہ کے علاوہ ملحقہ بازاروں میں بھی صفیں بچھی تھیں اور لوگوں کے سر ہی نظر آرہے تھے۔ مولانا کی نماز جنازہ تقریباً ۵ بار مختلف اوقات میں پڑھائی گئی۔ مجموعی طور پر ہزاروں افراد جنازے میں شریک ہوئے۔ ان میں شیوخ الحدیث، علماء، طلباء، تاجر، سماجی کارکنان، عوام الناس اور عزیز واقارب شامل تھے۔ مرحوم کی غائبانہ نماز جنازہ ملک کی اکثر مساجد میں پڑھائی گئیں۔ بیرون پاکستان بھی ان کے تلامذہ نے غائبانہ جنازے کا اہتمام کیا۔

ہم قارئین الاعتصام سے مرحوم کے لیے مغفرت کی دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔

اللہ کریم اپنے اس بندے کی بخشش فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین یارب العالمین۔ [محمد سلیم چینوٹی]

براھین وشواھد

کیا مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا؟

مرزا کے سفر نبوت کے مرحلہ وار تدریجی ارتقاء کا تاریخی جائزہ

پروفیسر عبدالرزاق ساجد، فیصل آباد

کفر قادیانیت پر سینکڑوں علمائے اسلام کے اجتماعی فتوے سے لے کر تحریر وتقریر، نقد ومباحثہ، مناظرہ ومباہلہ اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء میں پاکستانی پارلیمنٹ کے اندر کفر قادیانیت کے اجتماعی فیصلہ تک...... ماضی میں ہمارے اسلاف نے جس طرح مرزائیت کا تمام میدانوں میں تعاقب کرتے ہوئے ان کے عقائد ونظریات کے پول کھولے...... وہ کسی سے مخفی نہیں...... بلکہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔

مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مرزائی لٹریچر کی کھلے عام مسلسل اشاعت، شبانہ روز دعوت وتبلیغ اور لگاتار پروپیگنڈہ کے نتیجے میں حقائق سے ناآشنا عوام الناس اور ان کی بنیادی کتب اور لٹریچر سے ناواقف پڑھے لکھے حضرات میں یہ رجحان دن بہ دن زور پکڑتا جارہا ہے کہ

❀......مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت کی تکفیر ایک غلط فیصلہ ہے۔

❀......ہم کلمہ وہم قبلہ ہونے کے باوجود مرزائی کافر کیوں کر ہوسکتے ہیں؟

❀......مرزا نے کبھی بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، یہ محض غلط بیانی ہے جو مسلمانوں کی طرف سے کی جاتی ہے۔

❀......مرزا نے نبوت نہیں بلکہ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

مذکورہ بالا صورت حال کے پیش نظر ذیل میں حیاتِ مرزا کے مختلف مراحل کا خاکہ بالترتیب سن وائز مرزائی کتب سے باحوالہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ اس دعویٰ کی قلعی کھل سکے کہ کیا واقعتاً مرزا نے نبوت کا نہیں بلکہ صرف اور صرف مسیح ومہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

(۱)......مرحلہ جنم:

۱۸۴۰ء، جنم: مرزا غلام مرتضٰی مغل لوہار، چراغ بی بی، مرزا غلام احمد، بمقام قادیان انڈیا۔ [تحفہ قیصریہ، ص:۱۴، کتاب البریہ، ص:۱۴۶، سیرت المہدی، ج:۱، ص:۳۶]

(۲)......مرحلہ تعلیم:

۱۸۴۵ء، قرآن وفارسی کی تعلیم: مولوی فضل الٰہی (حنفی) سے، (قادیان)۔ [کتاب البریہ، حاشیہ، ص:۱۴۸، ۱۴۹]

۱۸۵۰ء، صرف ونحو کی تعلیم: مولوی فضل احمد (اہل حدیث) ساکن فیروز پور سے (گجرانوالہ)۔ [ایضاً]

۱۸۵۸ء، نحو، منطق، طب اور علم جعفر کی تعلیم: مولوی گل علی شاہ شیعہ (بٹالہ)۔ [ایضاً، ص:۱۰۵]

۱۸۵۹ء، طب کی مزید تعلیم: والد غلام مرتضٰی سے (بٹالہ)۔ [ایضاً، رئیس قادیان، ص:۲۰]

۱۸۶۵ء، انگلش کی تعلیم: منشی امیر شاہ سے بمقام منشی سکول (سیالکوٹ)۔ [سیرت المہدی، ج:۱، ص:۱۳۷]

۱۸۶۶ء، علم جعفر کی مزید تعلیم: ملک شاہ صاحب سے (سیالکوٹ) [چودھویں صدی کا مسیح، ص:۱۱]

۱۸۶۶ء، فن نجوم وفن رمل کی تعلیم: محمد صالح عرب سے (سیالکوٹ)

۱۸۶۷ء، امتحانِ وکالت: مختاری وکالت کا امتحان اور ناکامی (سیالکوٹ)۔ [سیرۃ المہدی، ج:۱، ص:۱۳۵]

(۳)......مرحلہ تصوف:

۱۸۶۸ء، چلہ کشی: سیالکوٹ سے قادیان واپسی پر بیوی بچوں سے

قطع تعلقی (قادیان)۔[کاویہ، ج:۲،ص:۲۰۱]

تسخیری عملیات: چلہ کشی کے ساتھ وظائف اوراد اور تسخیری عملیات (قادیان)۔[ایضاً]

عمل مسمریز: اور آٹھ نو ماہ تک ہپناٹزم کی عملی مشق کا اہتمام (قادیان)۔[اخبارالفضل،۲۱مئی ۱۹۲۶ء،ص:۱۵]

(۴)......مرحلہ اسفار واختیار ہپناٹزم:

۱۸۶۹ء، لاہور اور ڈلہوزی کا سفر: لوگوں پر ہپناٹزم کے اثرات کا عملی تجربہ اور جائزہ (لاہور)۔[ریویو آف ریلیجنز، ج:۵،شمارہ:۶،ص:۲۳۳]

خطیب لاہور سے ملاقات: مولانا محمد حسین بٹالوی سے ملاقات واظہار زہد وورع (بٹالہ)۔[براہین احمدیہ، ج:۴،ص:۵۲۰]

صوفی امرتسر سے ملاقات: مولانا عبداللہ غزنوی صوفی المشرب سے ملاقات (امرتسر)۔[چودھویں صدی کا مسیح،ص:۴۸]

(۵)......مرحلہ تبلیغ اسلام:

مبلغ اسلام: لاہور میں محمد حسین بٹالوی کے پاس تادیر قیام (لاہور)۔[رئیس قادیان،ص:۳۹]

دعوت وتبلیغ کے میدان میں جوہر خطابت (لاہور)۔[ایضاً]

اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے شہرت (لاہور)۔

[رئیس قادیان،ص:۳۹]

(۶)......مرحلہ مباحثہ ومناظرہ:

علم المباحثہ: مختلف مخالفین اسلام کے ساتھ بحث مباحثے جاری رکھے (لاہور)۔[مرزا غلام احمد قادیانی مسیح ومہدی موعود،ص:۳۵]

مناظر اسلام: غیر مسلموں خصوصاً آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرانہ سرگرمیاں اور بطور مناظر اسلام شہرت (لاہور)۔[رئیس قادیان،ص:۳۹]

(۷)......مرحلہ مضمون نگاری:

۱۸۷۶ء، مضمون نگاری: ۱۸۷۶ء میں والد کی وفات پر قادیان واپسی (قادیان)۔[کتاب البریہ،ص:۱۳۴]

۱۸۷۷ء، معاشی مسائل کے حل کے لیے آریوں اور عیسائیوں سے ٹکر لیتے ہوئے۔ مختلف اخبارات ومجلدات اور رسائل وجرائد میں مضمون نگاری۔ [تاریخ مرزا،ص:۶]

(۸)......مرحلہ مناظرانہ چیلنجز:

۱۸۷۷ء، مناظرانہ چیلنجز: عیسائیوں اور آریوں کو پانچ پانچ سو روپے کے انعامات کے ساتھ چیلنجز کے اشتہارات منظر عام پر لائے گئے۔[تاریخ مرزا،ص:۴ومابعد]

حلقۂ مریدین میں وسعت: اور یوں حلقہ ارادت کو وسعت دی گئی۔[ایضاً]

باطل شکن مجاہد اسلام: اور اس طرح کی کاروائیوں سے عوام وخواص میں باطل شکن مجاہد اسلام کے نام سے شہرت حاصل کی۔ [ایضاً]

(۹)......مرحلہ تصنیف وتالیف:

۷۸۔ ۱۸۷۷ء، براہین احمدیہ کے لیے چندہ مہم: لوگوں میں اسلام مخالف قوتوں کے خلاف ایک کتاب براہین احمدیہ لکھنے کا اعلان کیا گیا جو ۵۰ جلدوں اور تین سو دلائل پر مشتمل ہوگی۔ اس کے لیے بھرپور چندہ اکٹھا کرنے کی مہم جاری کی گئی۔[تبلیغ رسالت، ج:۱،ص:۸ومابعد]

۱۸۸۰ء، اشاعت براہین احمدیہ: ۱۸۸۰ء میں براہین احمدیہ کی پہلی دو جلدوں کی اشاعت ہوئی۔[ایضاً، ج:۳،ص:۳۴]

۱۸۸۱ء، عقیدۂ اہل سنت سے وابستگی اور عدم انحراف: یوں ۱۸۴۰ء سے لے کر ۱۸۸۱ء کے اخیر تک یعنی ۴۱ برس مرزا کی وابستگی عقیدۂ اہل السنہ والجماعۃ کے ساتھ رہی۔ اور اس میں کسی قسم کے انحراف کا مشاہدہ نہیں کیا گیا۔[براہین احمدیہ، ج:۲،ص:۱۰۹]

مرحلہ آغاز انحراف

(۱۰)......عقیدہ اسلامیہ سے انحراف کا آغاز:

۱۸۸۲ء، اشاعت براہین احمد، ج:۳: براہین احمدیہ کی تیسری جلد کی اشاعت ہوئی جہاں سے عقیدے کا انحراف شروع ہوا۔

[تبلیغ اسلام، ج:۳،ص:۳۴]

دعویٰ ولایت: جس میں (ولی اللہ) ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔

[براہین احمدیہ، ج:۳،ص:۲۱۷]

دعویٰ معرفت: اور (عارف باللہ) ہونے کا اظہار کیا گیا۔[ایضاً]

(۱۱)......مرحلہ شدت انحراف:

۱۸۸۴ء، براہین احمدیہ، ج:۴: براہین احمدیہ جلد چہارم کی اشاعت جس میں شدت انحراف کا مظاہرہ کیا گیا۔
[تبلیغ رسالت، ج:۳، ص:۳۴]

دعویٰ الہامات: اور خدائی الہامات کا باقاعدہ دعویٰ کردیا گیا۔
[براہین احمدیہ، ج:۴، ص:۵۰۸]

دعویٰ محدث من اللہ: اسی طرح محدث من اللہ ہونے کا دعویٰ بھی کیا گیا۔[ایضاً]

(۱۲)......مرحلہ مثیل مسیح:

۱۸۸۷ء، دعویٰ مثیل مسیح: ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۷ء تک مرزا نے مثیل مسیح ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا۔[براہین احمدیہ، ج:۴، ص:۴۹۸]

حیات مسیح کا اقرار: مثیل مسیح ہونے کے ساتھ ساتھ حیات مسیح کا اقرار کیا جاتا رہا۔[ایضاً]

دوبارہ آمد مسیح کا اعتراف: اور مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا اعتراف بھی رہا۔[ایضاً]

(۱۳)......مرحلہ مجددیت:

۱۸۸۷ء، مجدد ہونے کا دعویٰ: ۱۸۸۷ء ہی میں ایک اشتہاری مہم کے ذریعے مجدد امت ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔[مجموعہ اشتہارات، حصہ اوّل، ص:۴ومابعد]

(۱۴)......مرحلہ ماموریت:

۱۸۸۸ء، ماموریت کا دعویٰ: یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو مرزا نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کردیا۔[مجموعہ اشتہارات، حصہ اوّل، ص:۲۹]

(۱۵)......مرحلہ بیعت:

۱۸۸۸ء، بیعت کی دعوت: دسمبر ۱۸۸۸ء میں ماموریت کے ساتھ بیعت کی بھرپور مہم چلائی گئی۔[مجموعہ اشتہارات، حصہ اوّل، ص:۲۹]

۱۸۸۹ء، عملاً بیعت لینا: لدھیانہ میں ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو عملاً لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی گئی۔[سیرت المہدی، ص:۶۳]

(۱۶)......مرحلہ جماعت سازی:

۱۸۸۹ء، جماعت احمدیہ کی بنیاد: ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو لدھیانہ میں بیعت کے بعد ۴۰ مستقل ممبران پر مشتمل جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی۔[سیرت المہدی، ص:۶۳]

(۱۷)......مرحلہ مسیحیت:

۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۲ء، دو رسالوں کی اشاعت: ۲۲ جنوری ۱۸۹۱ء کو فتح اسلام اور توضیح مرام دو رسالے شائع ہوئے جن میں باقاعدہ مسیح ابن مریم کی وفات کا اعلان کردیا گیا۔[فتح اسلام، ص:۶، توضیح مرام، ص:۱]

وفات مسیح کا اعلان اور مسیح کا انکار: اور مسیح ابن مریم کی دوبارہ آمد کا انکار کردیا گیا۔[ایضاً]

دعویٰ مسیحیت: اور مرزا نے خود اپنے مسیح ابن مریم ہونے کا اعلان کردیا۔[ایضاً]

(۱۸)......مرحلہ معاون مہدی:

۱۸۹۳ء، معاون مہدی کا دعویٰ: ۱۸۹۳ء کو مرزا نے ''معاون مہدی حارث'' کا دعویٰ کردیا۔[ازالہ اوہام، ص:۹۷، طبع اوّل]

(۱۹)......مرحلہ مہدویت:

۱۸۹۴ء تا ۱۹۰۰ء، مہدی ہونے کا دعویٰ: ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء کو باقاعدہ اشتہاری مہم کے ساتھ خود کو معاون مہدی کے درجے سے مہدی کے رتبے پر فائز کرلیا گیا۔[معیار الاخیار، ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء]

نوٹ: ۱۸۹۱ء تا ۱۹۰۰ء۔ اس مرحلہ میں مرزا قادیانی اپنے بے شمار دعاوی وانحراف کے باوجود مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت سے وابستہ رہا۔ اگرچہ اس نے نبوت کے حوالے سے مختلف دعوے بھی کیے لیکن شرعی نبوت کے دعویٰ سے احتراز ہی برتا۔ جس کی تفصیل اگلے مرحلہ میں دی جارہی ہے۔

میدانِ نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد قادیانی میدان نبوت میں کیسے داخل ہوا؟ اس کے لیے ہم ایک مرتبہ پھر شروع سے آغاز کرتے ہوئے اس کے مختلف مراحل کا جائزہ لیتے ہیں۔

مرزائے میدانِ نبوت میں قدم رکھنے کے لیے درج ذیل مراحل طے کیے:

① ......مسلمانوں سے ہم آہنگ عقیدۂ ختم نبوت کا مرحلہ
② ......عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ چھیڑخوانی کے آغاز کا مرحلہ
③ ......امتی ہونے کے ساتھ ساتھ جزوی نبوت کے دعوؤں کا مرحلہ
④ ......عقیدۂ ختم نبوت کا واضح انکار اور نئی نبوت کی ضرورت کا کھلا اظہار
⑤ ......نبوت غیر مستقلہ کے اعلانات کا مرحلہ
⑥ ......دوسرے جنم والی بعثت و نبوت کا مرحلہ
⑦ ......صداقت نبوت کے لیے مرحلہ مباہلہ
⑧ ......نبوت مستقلہ کے دعویٰ کا مرحلہ
⑨ ......دعوئ ختم نبوت کا مرحلہ
⑩ ......مرزا کی نبوت کا تمام انبیاء کی نبوت سے افضل ہونے کے دعویٰ کا مرحلہ۔ (تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ کیجیے)

(۱)......مسلمانوں سے ہم آہنگ عقیدۂ ختم نبوت کا مرحلہ:

۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۱ء۔ ۴۱ سال کے لگ بھگ: مرزا غلام احمد قادیانی عقیدۂ ختم نبوت کا حامل و عامل اور داعی رہا۔

[مجموعہ اشتہارات، ج:۱، ص:۲۳۰، ۲۳۱]

اور محمد ﷺ کی نبوت کے بعد کسی بھی نبوت کی عدم ضرورت پر زور دیتا رہا اور ختم نبوت کے دروازے کو کھولنے والے کو کاذب و کافر کہتا رہا۔ [براہین احمدیہ، ج:۲، ص:۱۰۹]

(۲)......عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ چھیڑخوانی کے آغاز کا مرحلہ:

۱۸۸۲ء تا ۱۸۹۰ء۔ اس مرحلہ میں عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ نبوت کی طرف ہلکے پھلکے اشارے کیے گئے۔

[براہین احمدیہ، ج:۴، ص:۵۰۸]

مثلاً دعوئ الہام اور دعوہ محدثیت من اللہ۔ [ایضاً]

انکار بھی اور جزوی اقرار بھی: الغرض اس مرحلہ میں ختم نبوت کے بعد نبوت کے جاری ہونے کا انکار بھی رہا اور اس کا جزوی جزوی اقرار بھی۔ [سیرت المہدی، ص:۶۳]

(۳)......عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ نبوت کی سیڑھی پر قدم رکھنے کا مرحلہ:

۱۸۹۱ء، امتی نبی ہونے کا دعویٰ: مرزا امتی کہلوانے کے ساتھ ساتھ اب نبوت کے خواب بھی دیکھنے لگا۔ [ازالہ اوہام، ص:۲۳۵، طبع پنجم]

۱۸۹۱ء، محدث نبی ہونے کا دعویٰ: محدث من اللہ کے دعویٰ کے بعد محدث نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا گیا۔ [ایضاً]

۱۸۹۷ء، مجازی نبوت کا دعویٰ: یعنی اطلاع دینے والا۔

[سراج منیر، ص:۳]

غیر حقیقی نبوت کا دعویٰ: یعنی خبردار کرنے والا۔ [انجام آتھم، ص:۱۶]

۱۸۹۹ء، لفظی نبوت کا دعویٰ: یعنی خبر پہنچانے والا۔

[قولِ فیصل، ص:۵]

۱۹۰۰ء، لغوی نبوت کا دعویٰ: یعنی حقیقت حال سے آگاہ کرنے والا۔ [اربعین:۲، ص:۱۸]

ظلی نبوت کا دعویٰ: یعنی محمد ﷺ کا سایہ بن کر آنے والا۔

[دین الحق، ص:۶۷]

مرسل الٰہی ہونے کا دعویٰ: یعنی اللہ کی طرف سے مبعوث کردہ وبھیجا ہوا۔ [حقیقۃ النبوہ، ص:۱۲۴]

نوٹ: الغرض ۱۹۰۰ء کے اواخر تک مرزا کی طرف سے شرعی نبوت کے دعویٰ سے احتراز برتا گیا۔ [الفضل، ۴ جنوری ۱۹۲۳]

(۴)......عقیدۂ ختم نبوت کا واضح انکار اور نئی نبوت کی ضرورت کا کھلا اظہار:

۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۸ء۔ اس مرحلہ میں ختم نبوت کا انکار کرتے ہوئے نئی نبوت کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کئی ایک اصول دیئے گئے۔

انبیاء کے سلسلے کو جاری رکھنا قانون الٰہی ہے جسے وہ توڑتا نہیں۔ [لیکچر سیالکوٹ، ص:۲۲، از مرزا غلام احمد]

جب تک دنیا میں فساد باقی ہے اصلاح کے لیے نبوت کی ضرورت باقی ہے۔ [الفضل، ۲۷ فروری ۱۹۲۷ء]

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا اب سنتا تو ہو مگر بولتا نہ ہو۔یعنی وحی اب بھی جاری ہے۔[ضمیمہ نصرۃ الحق،ص:۱۴۵،ازمرزا قادیانی]

خدا کے خزانے ختم نہیں ہوئے۔ایک تو کیا ہزاروں نبی آئیں گے۔[الفضل،۱۲مئی ۱۹۲۵ء قول مرزا قادیانی]

(۵)......نبوت غیر مستقلہ کا مرحلہ:

۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۵ء۔حقیقت نبوت کا اعلان: یعنی جس طرح نبوت مبنی برحق صحیح معنوں میں ہوتی ہے۔[دافع البلاء،ص:۱۱]

شرعی نبوت کا اعلان: یعنی شریعت اسلامیہ کی رو سے۔[ایضاً]

اصطلاحی نبوت کا اعلان: یعنی اسلام اور اہل اسلام کی علمی اصطلاح کے مطابق۔[ایضاً]

متشابہ نبوت کا اعلان: یعنی مرزا کی نبوت (Same) محمد ﷺ کی نبوت جیسی ہے۔[خطبہ الہامیہ،ص:۱۷۱،از قادیانی]

بروزی نبوت کا اعلان: یعنی مرزا کا ظہور، محمد ﷺ کی صورت میں ہوا ہے۔[ایک غلطی کا ازالہ،ص:۸،ازمرزا]

ہم پلہ نبوت کا دعویٰ: یعنی مرزا کی نبوت سیدنا محمد ﷺ کے ہم پلہ و برابر ہے۔[کلمۃ الفصل،ص:۲۳،ازمرزاالسید]

(۶)......دوسرے جنم والی نبوت کا مرحلہ:

۱۹۰۶ء،دوسرا جنم: مرزا کے محمد ﷺ کا دوسرا جنم ہونے کا دعویٰ۔[اخبار بدر قادیان،۲۵اکتوبر ۱۹۰۶ء]

مرزا ہی محمد ہے: مرزا کے خود ''محمد رسول اللہ'' ہونے کا دعویٰ۔[ایک غلطی کا ازالہ،ص:۳،ازمرزا قادیانی]

(۷)......صداقت کے ثبوت کے لیے مرحلہ مباہلہ:

۱۹۰۷ء،مباہلہ مع مولانا ثناء اللہ: ۵۔اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا نے جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کا مباہلہ پیش کیا۔[مجموعہ اشتہارات، ج:۳،ص:۵۷۸]

(۸)......نبوت مستقلہ کے اعلان کا مرحلہ:

۱۹۰۷ء،مرزا کے رسول برحق ہونے کا دعویٰ۔

[اخبار بدر قادیان،۲۵/اکتوبر ۱۹۰۶ء،۵مارچ ۱۹۰۸ء]

۱۹۰۸ء، مرزا کی نبوت سابقہ انبیاء کی نبوت کی طرح ہونے کا دعویٰ۔[اخبار الفضل،۱۳ستمبر ۱۹۱۴ء]

مرزا کا مستقل صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ۔[اربعین:۴،ص:۶]

(۹)......دعویٰ ختم نبوت کا مرحلہ:

۱۹۰۸ء، مرزا کا خود خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ۔[اخبار بدر،۵مارچ ۱۹۰۸ء، ۹ اپریل ۱۹۰۸ء، براہین احمدیہ جلد پنجم، مطبوعہ ۱۹۰۸ء، ایک غلطی کا ازالہ، ص:۸،ازمرزا قادیانی]

(۱۰)......مرزا کی نبوت کا تمام انبیاء کی نبوتوں سے افضلیت کا دعویٰ:

۱۹۰۸ء، مرزا کے سیدنا محمد ﷺ سے اکمل واقوی اور اشد نبی ہونے کا دعویٰ۔[اخبار بدر قادیان، ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء، ۵ مارچ ۱۹۰۸ء، کلمۃ الفصل، ۱۵۷ ازمرزا بشیر احمد]

مرزا کا تمام انبیاء سے افضل ہونے کا دعویٰ۔[ضمیمہ حقیقۃ الوحی، ص:۸۴،ازمرزا قادیانی]

مرزا کا تین لاکھ معجزات نبوت کا دعویٰ۔[چشمہ معرفت،ص:۳۱۷،از قادیانی، تتمہ حقیقۃ الوحی،ص:۲۸،از قادیانی]

نوٹ: اتنے واضح دلائل کے باوجود بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مرزا نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تو اس پر یہ شعر ہی کہا جاسکتا ہے۔

آنکھ اگر بند ہو تو دن بھی رات ہے
قصور کیا ہے بھلا اس میں آفتاب کا

❀❀......❀......❀❀

شیخ الحدیث مولانا عبداللہ سعید کا انتقال

دارالعلوم السّلفیہ ڈھلیانہ ضلع اوکاڑہ کے صدر مدرس شیخ الحدیث مولانا عبداللہ سعید گذشتہ دنوں وفات پا گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم، مدرسہ ہذا کے بانی حافظ عبدالرزاق صاحب کے برادر اکبر تھے۔ان کی نماز جنازہ ان کے آبائی گاؤں ۴ جے ڈی ضلع اوکاڑا میں ادا کی گئی۔احباب جماعت کی کثیر تعداد نے جنازے میں شرکت کی۔قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[امیر حمزہ حماد طو، گوجرانوالہ]

قندِ مکرر

جماعت اہل حدیث اور امر بالمعروف

مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نیکی کا حکم وہاں چاہیے، جہاں نیکی مفقود اور متروک ہو۔ برائی سے وہاں روکنا چاہیے جہاں برائی موجود اور معمول بہ ہو۔ لیکن جہاں نیکی موجود یا برائی مفقود ہو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کوئی کام نہیں۔

ایسے ہی تعاون علی البر والتقویٰ اور لا تعاون علی الاثم والعدوان کے الفاظ بتلا رہے ہیں۔ کہ جب نیکی موجود اور معمول بہ ہو تو اس وقت تعاون کیا جائے اور جب اثم اور عدوان موجود ہو تو لا تعاون کرتے ہوئے دست امداد روک لیا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقام تعاون یا لا تعاون سے پہلے ہے۔ اور تعاون یا لا تعاون کا معروف اور منکر کے وجود کے بعد۔

جب نیکی کا امر یا منکر سے نہی کی جائے گی تو کم از کم دو شخص ضرور ہوں گے۔ ایک آمر یا ناہی، دوسرا مامور اور منہی۔ یعنی جسے برائی سے روکا گیا اور دو پر جمع کا اطلاق صحیح ہے۔ یا یہ کہہ لیجیے کہ جمع اور جماعۃ کے الفاظ کم از کم دو پر بولے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر، تعاون علی البر والتقویٰ اور لا تعاون علی الاثم والعدوان کا تعلق جماعت سے ہے فرد سے نہیں۔

یہ اوامر اور نواہی قرآنِ کریم کے الفاظ میں ہیں جس کے امر اور نہی کی تسلیم اور تعمیل سے کوئی بھی مسلمان خواہ کسی بھی فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو انکار نہیں کر سکتا۔ سوائے اربابِ حکومت اور دولت مندوں کے چوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غنی کر رکھا ہے۔ اس لیے وہ اپنی احتیاج اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ خواہ وہ کسی طبقہ، کسی زمانہ اور کسی خطہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

نیکی کا ترک اور برائی کا ارتکاب چوں کہ صرف ہوائے نفس پر مبنی ہے اس لیے لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خواہش انسانی کے خلاف اور منافی ہے۔ جب نیکی کے تارک کو نیکی کا امر یا برائی کرنے والے کو برائی سے روکا جائے گا تو وہ اسے اپنی خواہش کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضرور برا منائے گا۔ آمر یا ناہی کو اپنا دشمن اور بدنام کنندہ تصور کرے گا۔ اس فعل ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو فساد اور ذریعہ عداوت قرار دے گا۔ اور اپنے نجی اور طبقاتی معاملات میں اسے مداخلت بے جا اور اپنی آزادی کے منافی سمجھ کر اسے روکنے کی کوشش کرے گا۔ اور طرفین میں کش مکش شروع ہو جائے گی۔ یہ نزاع بڑھتے بڑھتے جہاد تک اور بالآخر باطل کی بربادی اور باطل پرستوں کی شکست اور تباہی پر منتج ہوتی ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد لیبلو بعضکم ببعض اور لیحق الحق ویبطل الباطل کی اس عالم دنیا میں عملی تصدیق اور مظاہرہ ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ ہر نبی نے ان مراحل کو طے کیا ہے۔

صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنا پر ہی انبیاء اور ان کے تابعدار قتل ہوئے، جلا وطن ہوئے، پٹے، اینٹیں اور پتھر کھائے، بدنام ہوئے، مفسد، کذاب، مجنوں، شاعر، ساحر، آشر اور حکومتوں کے باغی قرار دیے گئے۔ مخالفین کے جارحانہ حملوں، لوٹ مار، جنگ وجدال، ظلم وتعدی اور سخت سے سخت تکالیف اور مصائب کا نشانہ بنائے گئے۔ آروں سے چیرے گئے، آگ میں پھینکے گئے، لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت و پوست اتارے گئے اور تلواروں اور نیزوں کی نوک سے چھیدے گئے۔ لیکن کوئی بھی مخالفانہ قوت اور حرکت ان کو اس فرض کے ادا اور اپنے مالک کے احکام کی تبلیغ سے روک نہ سکی۔ نہ اہل سیاست کی شان وشوکت اور رعب اور نہ اہل ہوا واغراض کا تملق وچاپلوسی۔ جس قدر لذت مخالفین حق، ایذا میں محسوس کرتے رہے اس سے ہزارہا گنا زیادہ لذت پر عاشقان حق اس تاذی میں پاتے رہے۔

بخاک و خون غلطیدن چہ خوش رسمے بنا کردند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ظلوم وجہول انسان سے محض ایمان بالغیب کے اقتضا پر اس ایثار وقربانی سے جو فرحت وسرور اس مالک الملک کو حاصل ہوتا ہے اس کا تو ذکر ہی کیا؟ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

یہ مخالفانہ حرکت انفرادی قوت سے شروع ہو کر انتہائی اجتماعی قوت تک پہنچا کرتی ہے۔ لہٰذا اس کی مدافعت میں بھی اجتماعی طاقت کی ضرورت ہے یہی بات تعاون علی البر والتقویٰ اور لا تعاون علی الاثم والعدوان کی بنیاد ہے۔ مخالفین جب ظلم وتعدی پر مل کر کاربند ہوتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اہل حق کیوں نہ نیکی اور تقویٰ پر عمل کریں اور ایک وسرے کے معاون ومددگار بنیں؟ اور کیوں نہ برائی اور گناہ کی اعانت ومدد سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔ اگر وہ بھی ارتکابِ گناہ میں گناہ گاروں کے ساتھ شامل رہیں تو اہل حق اور اہل باطل میں کیا فرق رہا۔ اور حق پرست باطل پرستوں کو کیسے شکست دے سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کے گروہ میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں۔ جس کی نسبت ارشاد ہے:

﴿ اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون﴾ [المجادلہ]

غرض یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر باطل پرست خاموش اور پرسکون فضا میں حرکت اور تموج پیدا کرنے کا ابتدائی ذریعہ ہے اور اتنا مؤثر کہ ناممکن ہے یہ موجود ہو اور فضا میں حرکت نہ ہو۔ محال ہے کہ اس کے قیام واستحکام کے بعد اس کے مقابلہ میں باطل پرست قوتیں پنپ سکیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ انگریزی عہد حکومت کے ابتدائی دور اور خاندان ولی اللہی کے افراد اور تلامذہ رحمہم اللہ کے حالات وواقعات پر ہی غور فرمایئے۔ اعتقادات، عبادات، اخلاق، رسوم، اشاعت علوم دینیہ، اجتہاد، جہاد، تبلیغ واتباع، حق اور بالخصوص سیاسیات میں ان بزرگوں کی جدوجہد اور مساعی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کتنا بڑا حصہ ہے؟

اور اشد البلاء علی الانبیاء ثم الامثل فالامثل کے ارشاد کے مطابق ان بزرگانِ دین کو مذکورہ بالا مصائب اور امتحانات میں سے جو انبیاء اور ان کے اتباع کی نسبت ذکر ہوئے ہیں کس قدر مصائب برداشت کرنا پڑے باوجودیکہ ایک طرف یہ جماعت فاقہ مست اور تہی دست بر سر کار تھی اور دوسری طرف منکرات کی ہر قسم کی مسلح فوجیں۔

لیکن اگر آپ بنظر انصاف دیکھیں گے تو بلا تامل کہہ دیں گے کہ اس وقت برصغیر میں جس قدر بھی صحیح اسلام یا علم وعمل بالقرآن والسنۃ کا ظہور ہے ان ہی بزرگوں کی مساعی حسنہ کا نتیجہ ہے ورنہ رسمی اور تقلیدی اسلام تو پہلے بھی تھا۔ باطل ہر موقعہ پر شکست کھاتا رہا اور حق ہر مقام پر کامیاب رہا۔

لیکن افسوس ہے کہ انڈیا میں انگریزی حکومت کے دوسرے بد اثرات کے ساتھ ساتھ جب آزادی فکر وعمل کا مفہوم، ذمہ داری کا احساس اور اپنے فرائض کا ترک سمجھ لیا گیا تو اس سے سب جماعتیں متاثر ہوئیں۔ اور جماعت اہل حدیث نے بھی اس آزادی کا مطلب یہی سمجھ لیا۔

علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیکم۔

جب تم خود ہدایت پر رہو تو تمہیں دوسروں کی گمراہی کوئی نقصان نہ دے گی۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا موقع، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض پورے طور پر ادا کرنے کے بعد ہے۔ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم اپنے ہی ہم وطن، ہم پیشہ، اپنے ہی بنائے ہوئے کونسلروں، گورنروں، وزیروں اور حاکموں کو بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے قاصر ہیں۔ حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان بن چکا ہے۔ انگریز، ہندو، سکھ وغیرہ تمام غیر مسلموں کا اثر اور دباؤ زائل ہو چکا ہے۔ قرارداد مقاصد آئین ساز اسمبلی میں منظور ہو چکی ہے اور اسی طرح کی بڑی بڑی مشکلات جو انگریزی دور حکومت میں تھیں بڑی حد تک زائل ہو چکی ہیں۔ پاکستان کے گورنر جنرل ہزایکسی لینسی خواجہ ناظم الدین اپنی تقریروں میں فرمایا تھا کہ پاکستان اسلام کا حصار ہے۔ اگرچہ اربابِ حکومت ابھی تک عملاً اسے اسلام کا حصار بنانے کی طرف مائل نہیں ہوئے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ان حالات میں جماعت اہل حدیث کی تبلیغی سرگرمیاں پہلے سے زیادہ منظّم، متحد اور قوی تر ہو جاتیں۔ لیکن ایک تو مذکورہ بالا ذہنیت دوسرا انقلابی اثرات، اور جماعتی تشتت وافتراق کے باعث سابقہ کوششیں بھی مٹ رہی ہیں اور جو باقی ہیں وہ سب انفرادی

ہیں۔ پھر ان کا بھی اکثر حصہ بے موقعہ ہے اور کچھ حصہ بے طرح......
لیکن اس کے مقابلہ میں ہر قسم کی منکرات، باقاعدہ نظام اور پوری قوت کے ساتھ پھل اور پھول رہی ہیں۔ اگر بروقت کوئی کوشش نہ ہوئی تو شاید جماعت کو مستقبل میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

اس لیے میں جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان، بالخصوص صاحب صدر ناظم صاحب، اراکین جمعیۃ اور جماعت کے بڑے بڑے بزرگوں سے باادب درخواست کرتا ہوں کہ وہ جلدی سے جلدی اس طرف توجہ فرمائیں۔ جماعت کو منظم اور اپنی قوتوں کو متحد و متفق کریں اور اپنی متفرق مساعی کو ایک مرکز پر لائیں اور اجتماعی امور ومسائل کے لیے شخصی وانفرادی امور کو کچھ عرصہ کے لیے نظرانداز فرمائیں۔

اخبار ''الاعتصام'' صرف اسی مقصد کے لیے جاری کیا گیا ہے کہ جماعت کے معاملات میں افراد جماعت کو شوریٰ اور فیصلہ میں ہر قسم کی سہولتیں اور آسانیاں میسر ہوں۔ ان کی قوائے فکریہ وعملیہ میں حرکت پیدا ہو۔ جماعت صحیح معنی میں جماعت بن کر پاکستانی مسلمانوں کی اصلاح کا حقیقی فرض ادا کرنے کے قابل ہو اور امر بالمعروف نہی عن المنکر تعاون علی البر والتقویٰ اور لا تعاون الاثم کے فرائض اجتماعی قوت اور نظام کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ سکیں۔ جماعت کے علماء اور امراء کو اس طرف سب سے زیادہ توجہ فرمانے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ واما بنعمة ربك فحدث ﴾

''اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرو۔'' وباللہ التوفیق۔

مولانا محمد صدیق شاہین آبادی کی وفات

مولانا محمد صدیق صاحب شاہین آباد ۲۳ راپریل ۲۰۰۹ء کو انتقال کر گئے۔ مولانا بلند پایہ خطیب قرآن کے اسرار ورموز پر عبور رکھنے والے عالم تھے۔ بہت سے افراد آپ کی تقریریں سن کر کتاب وسنت کے عامل بن گئے۔

آپ ضلع قصور کے ایک گاؤں فتوحی والا کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد دین محمد آرائیں خاندان کے سربراہ تھے۔ ابتدائی تعلیم کھیانوالہ ضلع قصور میں حاصل کی۔ ۸ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد سند حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں جید علماء شامل تھے۔

درس نظامی کے بعد آپ نے اپنے لیے خطابت کا میدان چنا۔ پھر ۳ سال اپنے گاؤں فتوحی والا میں خطیب رہے۔ پھر مرالی والا جامع مسجد قدس محلہ اسلام آباد گوجرانوالہ، بھروکی چیمہ (وزیر آباد) میں ۱۴ سال، جامع مسجد ربانی اہل حدیث شاہین آباد میں کم وبیش ۲ دفعہ ۷ سال گوندانوالہ میں ۷ سال ایمن آباد میں ۶ سال، اکالی گڑھ میر پور ۳ سال، ڈسکہ اور فیصل آباد میں ۲ سال خطیب رہے۔ اس دوران آپ نے بھروکی چیمہ گوندانوالہ، جامع مسجد ربانی شاہین آباد میں درس فجر میں قرآن مجید کی سورۃ البقرہ سے والناس تک تفسیر بیان فرمائی۔ آپ اکالی گڑھ میر پور میں خطیب تھے کہ آپ کی کیسٹ ایک دوست برطانیہ لے گیا۔ وہاں آپ کے اندازِ خطابت کو پسند کیا گیا۔ وہاں ایک انگریز عیسائی نے بھی آپ کی کیسٹ کو سماعت کیا تو اس نے آپ کو برطانیہ بلالیا۔ پھر آپ تقریباً پہلے ڈیڑھ سال برطانیہ میں ایک دفعہ اور دوسری دفعہ ۶ ماہ خطیب رہے۔ اس دوران آپ نے ۲ انگریزوں اور ۲ عیسائی عورتوں کو مسلمان کیا۔ (الحمدللہ)

مولانا قاری مصطفیٰ ظہیر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے جنازہ میں تمام مکتبہ ہائے فکر کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ آپ مولانا محمد صادق عتیق امیر شہر کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ پورے شہر کی جماعت نے آپ کی وفات پر گہرے دکھ، رنج کا اظہار کیا۔ آپ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ دعا ہے اللہ کریم موصوف کی مغفرت فرمائے، آمین۔

محترم عبدالواحد بٹ کا انتقال پر ملال

ہمارے بہت ہی پیارے دوست محترم ومکرم عبدالواجد بٹ صاحب (پیپر پیلس گنپت روڈ لاہور) کے والد گرامی محترم عبدالواحد بٹ صاحب ۱۴ جولائی ۲۰۰۹ء بروز منگل علی الصبح وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک متین وفطین شخصیت تھے۔ صاف گو، طبیعت کے نفیس، گھر والوں کے لیے سراپا شفقت اور ہمدرد انسان تھے۔ عارضہ قلب میں گذشتہ کچھ عرصے سے مبتلا تھے۔ ان کی نماز جنازہ محترم حافظ احمد شاکر صاحب نے ڈیفنس جامع مسجد میں ۳ بجے سہ پہر پڑھائی۔ نماز جنازہ میں جناب لیاقت بلوچ، جناب سمیع اللہ بٹ، خواجہ احمد سلیم صاحب آفیسر پنجاب پولیس، حافظ احمد شاکر، عباد شاکر، عمران حمید مرزا، صوفی لیاقت علی، اللہ دتہ صاحب پریس والے۔ گنپت روڈ کے تاجران کاغذ اور بے شمار عزیز واقارب نے شرکت فرمائی۔

ادارہ الاعتصام مرحوم کی وفات پر ان کے بیٹوں جناب عبدالواجد بٹ صاحب، جناب عبدالماجد بٹ صاحب اور ان کے داماد جناب سمیع اللہ بٹ صاحب کے غم میں شریک ہے اور ان سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ [محمد سلیم چینوٹی]

یادِ رفتگاں

اِک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

حافظ محمد بنیامین طور

مولانا محمد اسحاق بھٹی

گزشتہ ہفتہ ایک گمنام علمی شخصیت حافظ بنیامین طور رحمہ اللہ انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ جماعت کے تدریسی حلقوں میں معروف شخصیت تھے۔ حافظ صاحب کی تدریسی زندگی تقریباً نصف صدی پر محیط ہے اور وہ بلاشبہ استاذ العلماء تھے۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ کا آبائی گاؤں چک نمبر ۴۲۷ جھوک دادو تھا۔ یہ وہی بابرکت گاؤں ہے جو اپنے عہد کے ولی اور دینی علوم کو پھیلانے کا جذبہ رکھنے اور خلق خدا کو سفر، حضر، قیام، قعود، جلوس، دن اور رات کے ہر پہر میں دین پر عمل پیرا ہونے کے داعی اور خشیت وللّٰہیت کی مجسم تصویر میاں محمد باقر رحمہ اللہ کا گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ میاں صاحب نے خواتین کو دینی علوم سے آراستہ وپیراستہ کرنے کی ابتدا کی تھی جو عمل حسنہ اب پورے ملک میں پھیل چکا ہے۔

الاعتصام کے بانی مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کا میاں صاحب رحمہ اللہ سے عقیدت وارادت کا ایک خاص تعلق تھا اور میاں صاحب کے مرحوم بیٹے حافظ محمد زکریا الاعتصام کے بانی کے خاص ہم ذوق دوست تھے جو کہ قیام پاکستان کے متصل ہی رحلت فرما گئے تھے۔

مشکوٰۃ شریف کی بے نظیر وبے مثیل شرح مرعاۃ المفاتیح (از شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ) بھی میاں محمد باقر صاحب رحمہ اللہ کے صدقات جاریہ میں سے ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ان ہی کے مالی تعاون سے اس شرح کی ابتدا کی تھی جس کی پہلی جلد میاں صاحب ہی کے مالی تعاون سے المکتبۃ السلفیہ لاہور نے ۱۹۶۱ء میں شائع کی تھی۔ پاک بھارت تعلقات کی ناہمواری کے باعث پہلی جلد کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے یہ تعاون جاری نہ رہ سکا۔

میاں صاحب کے مدرسہ خادم القرآن والحدیث کی حسنات میں جہاں مولانا محمد صدیق فیصل آبادی، مولانا محمد یحییٰ شرقپوری، مولانا عبدالعزیز صاحب، مولانا عبدالخالق قدوسی رحمہم اللہ جیسی عظیم شخصیات ہیں وہاں حافظ بنیامین رحمہ اللہ بھی اسی مدرسہ کے فیض یافتہ بھی ہیں اور اس گاؤں کے سپوت بھی۔

مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ نے سعی بے کراں سے اہل حدیث خدام حدیث کے موضوع کو دبستانِ حدیث کے نام پر جو قلم بند کیا ہے فوری طور پر حافظ صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں مولانا بھٹی ہی کے مضمون کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی خدمات قبول فرما کر ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ [احمد شاکر]

تحصیل علم کے بعد جن حضرات نے درس وتدریس کو اپنا مقصد حیات قرار دیا، ان کی طویل فہرست میں حافظ محمد بنیامین طور کا نام نامی بھی شامل ہے۔ حافظ محمد بنیامین ۱۹۳۴ء میں جھوک دادو چک نمبر ۴۲۷ گ ب (تحصیل تاندلیاں والا، ضلع فیصل آباد) میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی وریام خاں اور جد امجد کا داؤد تھا۔ طور برادری سے تعلق رکھتے ہیں جو راجپوتوں کی ایک گوت ہے اور اسی گاؤں کے رہنے والے ہیں، جس میں اس علاقے کے مشہور بزرگ میاں محمد باقر مرحوم فروکش تھے۔ میاں صاحب رشتے میں ان کے چچا تھے۔

پرائمری تک اپنے آبائی مسکن جھوک دادو میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول تاندلیاں والا میں داخل کرادیے گئے جو ان کے گاؤں سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد حافظ محمد بنیامین کے دل میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ ابھرا۔ اس وقت وہ ایک گاؤں کے پرائمری سکول میں بہ طور ٹیچر خدمات انجام دیتے تھے اور سکول ٹیچری سے انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں دریائے راوی میں سیلاب آیا تھا۔ یہ دریا ان کے گاؤں جھوک دادو سے تقریباً چھ میل کے فاصلے سے گزرتا

ہے۔ اس سیلاب میں بہت مالی اور جانی نقصان ہوا تھا۔ سیلاب کی شدت کو دیکھ کر حافظ صاحب کو خیال آیا کہ سیلاب نے ہمارے گاؤں کا رخ کرلیا تو لوگوں کے ساتھ میں بھی مرجاؤں گا اور کوئی نیک عمل میرے پاس نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ دس سال میں نے سرکاری سکول میں گزارے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کیا جو نجات کا باعث بن سکے۔ بہتر یہ ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دینی تعلیم حاصل کی جائے اور اس کے حصول کے بعد دینی علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ یہ خیال آتے ہی پرائمری سکول کی ملازمت چھوڑ دی اور اپنے گاؤں کے مدرسہ خادم القرآن والحدیث میں داخل ہوگئے۔

اس مدرسے میں اس وقت چار استاذ طلبا کو تعلیم دینے پر مامور تھے۔ ایک مولانا عبدالرشید مرحوم، ان سے حافظ محمد بنیامین نے ''عربی کا معلم'' پڑھا (چاروں حصے)

دوسرے حافظ مختار احمد تھے۔ ان سے انہوں نے مختصر المعانی اور الفیہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

تیسرے استاذ مدرسہ خادم القرآن والحدیث کے مولانا محمد حسین طور تھے۔ ان سے بھی حافظ محمد بنیامین نے استفادہ کیا۔

چوتھے استاد اس وقت مولانا محمد یعقوب گوجروی تھے۔ ان سے صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، کافیہ اور ہدایت النحو وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

جامعہ محمدیہ اوکاڑا میں بھی حافظ صاحب ممدوح کچھ عرصہ پڑھتے رہے۔ وہاں انھوں نے حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی سے ابواب الصرف اور نحو میر وغیرہ، صرف ونحو کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس وقت حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی بھی جامعہ محمدیہ میں مصروفِ تدریس تھے۔ ان سے حافظ محمد بنیامین نے باقاعدہ طور سے تو کوئی کتاب نہیں پڑھی، البتہ ان سے مستفید ہونے کا موقع ضرور ملا۔

اس کے بعد حافظ محمد بنیامین نے جامعہ سلفیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا شریف اللہ خاں صاحب سے تفسیر بیضاوی، میبذی اور سلم العلوم کا درس لیا۔ مولانا محمد اسحاق چیمہ بھی جامعہ سلفیہ میں پڑھاتے تھے، ان سے شافیہ پڑھا۔ حضرت حافظ محمد گوندلوی سے صحیح بخاری پڑھی۔

حافظ فتح محمد فتحی مرحوم سے قرآنِ مجید کے بارہ پارے یاد کیے۔ باقی اٹھارہ پارے خود ہی اس وقت یاد کیے جب وہ مسلم شریف اور بخاری شریف پڑھتے تھے۔ یعنی علم حدیث کی تحصیل کے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید بھی حفظ کرلیا۔

ان کے مندرجہ بالا وہ اساتذہ کرام ہیں جن سے دینیات کی مختلف کتابیں پڑھیں۔ سکول کے زمانے کے اساتذہ ہیں: ماسٹر منظور احمد، ماسٹر خدا یار اور ماسٹر عبدالمجید۔ یہ تینوں حضرات وفات پاچکے ہیں۔ دینیات کے اساتذہ کرام بھی (حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی کے علاوہ) سفر آخرت اختیار کرگئے ہیں۔

حافظ محمد بنیامین کے ہم جماعت حضرات کی فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا عبدالخالق قدوسی شہید، شیخ الحدیث مولانا مفتی عبیداللہ عفیف (جامعہ اہل حدیث قدس لاہور)، مولانا محمد صدیق لائل پوری، مولانا محمد یوسف انور خطیب جامع مسجد اہل حدیث فیصل آباد۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد حافظ محمد بنیامین نے تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس وقت جامعہ سلفیہ کے مہتمم مولانا محمد اسحاق چیمہ تھے۔ چیمہ صاحب نے ان کو جامعہ سلفیہ میں مدرس مقرر کردیا۔ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ ۱۹۷۰ء تک دس سال انہوں نے جامعہ سلفیہ میں سلسلہ تدریس جاری رکھا۔ وہاں دیگر علوم وفنون کی کتابوں کے علاوہ بلوغ المرام سے لے کر صحیح مسلم تک کتب حدیث پڑھاتے رہے۔ دس سال میں بے شمار طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔

پھر اپنے گاؤں (جھوک دادو چک نمبر ۴۲۷ گ ب) کے مدرسہ خادم القرآن والحدیث میں چلے گئے۔ اس مدرسے میں دو سال خدمت تدریس انجام دی۔ بعد ازاں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے اصحاب انتظام کی دعوت پر وہاں آگئے۔ ایک سال وہاں قیام رہا۔ وہاں سے دارالحدیث اوکاڑہ کا عزم کیا۔ دو سال وہاں بسر کیے۔ اس کے بعد جامعہ سلفیہ کے اربابِ اہتمام کی درخواست پر جامعہ سلفیہ میں چلے گئے۔ تقریباً چار سال جامعہ کے طلباء کو مستفید فرماتے رہے۔ وہاں سے پھر جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) آگئے۔ ماموں کانجن کچھ عرصہ رہے۔ پھر اپنے گاؤں (جھوک دادو) میں ''سدرۃ الاسلام للبنات'' اور عمر بن خطاب اسلامک سنٹر (تاندلیاں والا) میں بہ حیثیت شیخ الحدیث

خدمات انجام دیں۔ یہ سطور ۱۲۔فروری ۲۰۰۷ء کو لکھی جا رہی ہیں۔ ۲۰۰۶ء سے اب تک جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ بہت اچھے مدرس ہیں اور نہایت شوق اور محنت سے پڑھاتے ہیں۔طلباء ان کے اندازِ تدریس سے نہایت متاثر اور خوش ہیں۔

۱۹۶۰ء سے لے کر اب (۲۰۰۷ء) تک یعنی ۴۷ سال سے خدمت تدریس میں مصروف ہیں اور کئی دفعہ صحیح بخاری پڑھا چکے ہیں۔ اس طویل مدت میں بے شمار طلباء نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیے، جن میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

① ......مولانا عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد
② ......مولانا عبدالرحمٰن چیمہ شیخ الحدیث لودھراں
③ ......حافظ مسعود عالم استاذ جامعہ سلفیہ فیصل آباد
④ ......مولانا عبدالقہار (صاحب زادہ برق توحیدی) ایڈیٹر ماہنامہ ''التوحید'' ٹوبہ ٹیک سنگھ
⑤ ......مولانا محمد خالد سیف اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد
⑥ ......مولانا ارشادالحق اثری ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد
⑦ ......مولانا عبدالحیٔ انصاری ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد
⑧ ......مولانا محمد ہود مدرس کلیۃ دارالقرآن والحدیث فیصل آباد
⑨ ......قاری بشیر احمد عثمانی برطانیہ
⑩ ......پروفیسر عنایت اللہ مدنی اسلام آباد
⑪ ......حافظ عبداللہ شیخوپوری مرحوم
⑫ ......قاری حفیظ الرحمٰن ملتانی مدرس جامعہ تعلیم اسلام ماموں کانجن
⑬ ...... حافظ فتح دین فاضل مدینہ یونیورسٹی مدرس جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن
⑭ ......حافظ محمد اسلم شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ خان پور
⑮ ......پروفیسر عبدالرحمٰن شاہین بہاولنگر
⑯ ......حکیم رانا محمد مدثر خاں چک نمبر ۴۸۵ گ ب تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد۔

یہ چند حضرات کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے علماء وطلباء نے حافظ محمد بنیامین سے استفادہ کیا۔

تدریس کے ساتھ ساتھ حافظ صاحب نے اور بھی خدمات سرانجام دیں۔ مثلاً تحریک تحفظ ختم نبوت میں حصہ لیا اور ساہی وال جیل میں قید رہے۔ جہاد افغانستان میں بھی باقاعدہ شرکت کی۔ اپنے گاؤں جھوک دادو میں طالبات کی تعلیم کے لیے جامعہ سدرۃ الاسلام للبنات کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جو بیس سال سے جاری ہے۔ اس میں عام دینی تعلیم کے علاوہ بچیوں کے لیے قرآن کے حفظ و تجوید کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

حافظ محمد بنیامین قلم و قرطاس سے بھی رابطہ رکھتے ہیں اور خوب صورت انداز میں لکھتے ہیں۔ تحریر کی زبان بہت صاف ہے۔ عربی سے اردو ترجمہ کرنا ایک فن ہے۔ حافظ صاحب ممدوح اس فن کی نزاکتوں سے آگاہ ہیں۔ ان کے ترجمہ و تصانیف کا سلسلہ یہ ہے:

① ......الطّور الناجی شرح سراجی: تدریسی حلقوں میں سراجی کو مشکل کتاب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حافظ محمد بنیامین نے اس کا رواں دواں اردو ترجمہ کیا ہے۔
② ......نمازِ نبوی ﷺ: اس میں نبی ﷺ کے طریق نماز کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اپنے موضوع کی عمدہ کتاب ہے۔
③ ......الطلاق الصواب الذی یوجد فی الحدیث والکتاب: اس کتاب کا نام عربی قسم کا ہے، لیکن کتاب اردو زبان میں ہے۔ اس میں قرآن وحدیث کے مطابق طلاق کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں بہتر ہوتا کہ اس کا نام ''طلاق کا طریقہ کتاب وسنت کی روشنی میں'' رکھا جاتا۔
④ ...... سینے پر ہاتھ باندھنا: اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔
⑤ ......امام بخاری اور ان کی الجامع الصحیح: یہ حافظ صاحب کا مقالہ ہے جو ''ترجمان الحدیث'' کے تین شماروں (فروری، مارچ، اپریل ۱۹۸۶ء) میں شائع ہوا تھا۔ یہ نامکمل مقالہ ہے، اسے تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ امید ہے حافظ صاحب اس پر غور فرمائیں گے۔

حافظ صاحب کی اولاد تین بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا۔ تینوں شادی شدہ ہیں۔ بیٹا ایم اے پاس ہے اور ہائی سکول میں عربی ٹیچر ہے۔



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

شرعی احکام کا انسائیکلو پیڈیا (حصہ اوّل)

تالیف: ابن بشیر الحسینوی

ضخامت: ۲۲۸ صفحات (اچھا کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ، کارڈ کور)

قیمت: درج نہیں

ناشر: احیاء السنہ پبلی کیشنز، قصور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

دین (اسلام) کے ابلاغ اور اشاعت کے لیے ہمارے بہت سے علمائے کرام فریضہ سمجھتے ہوئے کوشش فرما رہے ہیں۔ اس دور میں جہاں احکامِ خداوندی اور سنت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے نہ صرف اعراض کیا جا رہا ہے بلکہ وہاں اس کے ساتھ تمسخر جیسی افسوس ناک صورتِ حال بھی اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر علمائے کرام حتی المقدور کوشش فرما رہے ہیں کہ اس دینی زوال کے عہد کے آگے بند باندھا جائے اور دینی و دنیاوی اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

زیر تبصرہ کتاب ایک مختصر سی کاوش ہے۔ اسے ہمارے فاضل بھائی جناب مولانا محمد ابراہیم جو ابن بشیر کے قلمی نام سے معروف ہیں، نے ترتیب دیا ہے، وہ جامعہ امام بخاری گندھیاں اوتاڑ ضلع قصور کے مدرس اور مرکز تربیت اسلامیہ فیصل آباد کے تربیت یافتہ ہیں۔ اس تالیف میں قرآن وحدیث کی صحیح روایات پر مشتمل احکام مرتب کیے گئے ہیں۔ ان احکام میں نیت، طہارت اور صفائی وستھرائی کے علاوہ عبادات کے احکام، رات کو پیش آنے والے مسائل وغیرہ بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ تخریج وتحقیق مولانا محمد زبیر علی زئی کی ہے اور مقدمہ مکرم ومحترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔

دین کے ابتدائی احکام ومسائل کا یہ چھوٹا سا مجموعہ بڑی مفید تعلیمات پر مبنی ہے اور احکامِ دین جاننے والوں کے لیے ایک تحفہ سے کم نہیں ہے۔

اکلوتا فرزند ذبیح اسحاق علیہ السلام یا اسماعیل علیہ السلام

تصنیف: عبدالستار غوری، ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری

ضخامت: ۳۲۳ صفحات

قیمت: ۳۳۰/- روپے

خصوصیات: عمدہ نیوز کاغذ، بہترین کمپوزنگ وطباعت، خوب صورت جلد وٹائٹل

ناشر: المورد، ۵۱ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 042-35865145

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ کتاب جناب عبدالستار غوری اور ان کے فرزند ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی لاہور کی مشترکہ تصنیف "The only son offered for secrifice: Isaae or Ismail" کا اردو ترجمہ ہے جو عثمان سبحان غوری اور ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری نے کیا ہے اور اس پر نظر ثانی جناب عبدالستار غوری صاحب نے فرمائی ہے۔ اس کا پیش لفظ جناب جاوید احمد غامدی نے لکھا ہے جو تحقیقی ادارے ''المورد'' کے صدر بھی ہیں۔ یہود نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے ذبیح اللہ حضرت اسحٰق کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی ان تحریفات کا پردہ چاک کرنے کے لیے مولانا حمید الدین فراہی نے ایک رسالہ ''الرای الصحیح فی من هو

الذبیح''، تصنیف فرمایا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں مولانا حمید الدین فراہی کی تحقیق کو آگے بڑھایا ہے اور یہود و نصاریٰ کے لٹریچر ہی میں سے یہ ثابت کردکھایا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اس کتاب کے گیارہ ابواب ہیں اور مفصل تاریخی حوالوں سے مزین عیسائی و یہودی موقف کے مقابل مسلم علماء کی تحقیقات اور قرآنی فکر کا آئینہ دار موقف بیان کیا گیا ہے۔

مختلف رسائل وجرائد کی طرف سے کیے گئے تبصروں کا جزوی ذکر اور کتاب کے آخری صفحات پر مقدس پانی ''زم زم'' اور ہیکل سلیمانی کی مختصر تاریخ اور یروشلم کے بارے ضمیمے لکھے گئے ہیں۔

بہرحال یہ کتاب تحقیق کے لحاظ سے ایک شاندار کاوش ہے۔ جو مسلم اور یہود و نصاریٰ کے موقف کو سمجھنے کے لیے عالمی سطح پر بہ طور مکالمہ کے بھی مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ لائبریریوں کے لیے ضروری اور اپنے موضوع پر ایک قابل قدر تصنیف ہے۔

تقریب بخاری شریف

جامعہ سلفیہ ایچ 8/1 اسلام آباد کی 23 ویں سالانہ تقریب بخاری شریف 31 جولائی 2009ء بروز جمعۃ المبارک تا عصر منعقد ہوگی۔ تقریب کی صدارت علامہ عبدالعزیز حنیف کریں گے۔ خطبہ جمعہ محترم حافظ مسعود عالم اور درسِ بخاری علامہ ارشاد الحق اثری حفظہم اللہ ارشاد فرمائیں گے۔ اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کا خطاب ہوگا۔ [حافظ محمد شفیق (صدر و اراکین جامعہ سلفیہ، اسلام آباد)]

جامعہ محمدیہ، حق بازار، اوکاڑا کی 153 ویں سالانہ تقریب بخاری شریف

مؤرخہ ۲ شعبان بمطابق ۲۶ جولائی ۲۰۰۹ء بروز اتوار تقریب بخاری شریف بوقت بعد نماز ظہر تا مغرب منعقد ہوگی۔ درسِ بخاری شریف بعد نماز ظہر محترم حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ ارشاد فرمائیں گے اور مولانا قاری عبدالرحمٰن کلیم کا خطاب ہوگا۔ حضرت مولانا معین الدین لکھوی حفظہ اللہ مہتمم جامعہ ہذا دعا فرمائیں گے۔

[پروفیسر ڈاکٹر محمد حمود لکھوی، ناظم اعلیٰ جامعہ ہذا]

مولانا محمد یٰسین راہی کے خطباتِ جمعۃ المبارک

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کے مدیر جناب مولانا محمد یٰسین راہی درج ذیل مقامات پر خطباتِ جمعہ دیں گے۔

۳۱ جولائی ۲۰۰۹ء مرکزی جامع مسجد اہل حدیث اردو بازار بہاولنگر شہر۔ ۷/ اگست ۲۰۰۹ء مرکزی جامع مسجد توحید گنج اہل حدیث کچہری بازار منڈی بہاؤ الدین۔ [محمد اسماعیل ساجد۔ 0333-8556472]

شعاع فرنگ

ہے دل میں جوش، طبیعت ہے کس قدر موزوں
میں آج مطلع رنگیں جگر کے خوں سے لکھوں
نہ آرزو نہ کشا کش نہ جذب سوز دروں
خدا کرے کہ میں اس حال میں کبھی نہ رہوں
نہ خانقاہ سلامت، نہ میکدوں کا وہ رنگ
میں اپنے گھر کے سوا اور پھر کہاں جاؤں
تری نگاہ تو ہے خیرۂ شعاع فرنگ
تری نگاہ سے میں زندگی کو کیوں دیکھوں
یقین ہے حسن کی نیندیں حرام ہو جائیں
اگر میں نالۂ بیتاب دل کو تھام نہ لوں
یہ حادثات کی دنیا ارے معاذ اللہ!
کہیں فسونِ تمنا کہیں فریب سکون
جو خود بھی پی نہ سکیں اور کو پلا نہ سکیں
میں ان کے ہاتھ سے جام حیات چھین نہ لوں
نہ آگہی کا پتا ہے نہ مصلحت کا نشاں
جہاں جہاں سے بھی گزرا ہے کاروانِ جنوں

مرا مقام بہت کچھ ہے خسروی سے بلند
مرے لیے ہے قبائے حریر ناموزوں

[ماہرالقادری]